مقتل الحسینؑ امین

از

عقبہ بن سمعان صحابی حضرت سیّد الشہداءؑ

و غلام جنابِ باب

مع

ضمیمہ تقریظ علماء عراق شرح مقتل عقبہ از شہید حسن ایم۔اے

ناشر

امامیہ مشن پاکستان لاہور

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور ۱۵۷

مقتل الحسینؑ

جمع و تدوین و تحقیق و تنقید

سلطان الواعظین مورخ اعظم حضرت علامہ
سید مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری مجتہد العصر

امامیہ مشن پاکستان (ٹرسٹ) لاہور

کے سلسلۂ اشاعت کا ایک انمول تحفہ "مقتل الحسینؑ" از عقبہ بن سمعان صحابی حضرت
سیّد الشہداء علیہ السلام و غلام حضرت رباب معہ ضمیمہ تقریظ علماء عراق شرح مقتل
عقبہ از شہید حسن ایم، اے آپ کے پیش نظر ہے۔ ترتیب و تدوین، مقدمہ اور
تعارف مورخ و محقق اعظم سرکار علامہ ڈاکٹر سیّد مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری
مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے جس کے لئے ہم ان کے صمیم قلب سے
سپاس گزار ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یہ پیش کش بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی
اور عاشقان امام مظلوم اس کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں مفت تقسیم کر کے نہ
صرف ثواب دارین حاصل کریں گے۔ بلکہ روح معصومہ عالم کو بھی شاد
فرمائیں گے۔ مفت تقسیم کے لئے قیمت میں پچاس فی صدی رعایت دی
جائے گی۔

والسلام

آنریری جنرل سیکریٹری

اگست ۱۹۶۳ء
تعداد چھ ہزار

سہیل سکینہ
نمبر ۸-۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

محمدؐ و آلِ محمدؐ کے غلاموں کی زندگی پر بحث و نظر کا آغاز

آغازِ اسلام سے صدیوں پہلے سے اقوامِ عالم میں غلام سازی کا رواج چلا آرہا تھا۔ عرب میں بھی یہ رواج عام تھا۔ عرب لونڈی غلام بنانے کے لئے لڑائیوں کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ بجائے اس کے کہ اسلام انسدادِ غلامی کا قانون اچانک پیش کرتا۔ اُس نے نظامِ معیشت، عام معاشرت اور تہذیب و تمدن میں انقلاب پیدا کرنا شروع کر دیا۔ جنگ کے سوا غلام سازی کے کل طریقوں کو ناجائز قرار دیا۔ اور ایسے تدابیر اختیار کئے جن سے رفتہ رفتہ غلامی کا خاتمہ ہو جائے۔ اسلام کے پاس ابتداء میں نہ تو اتنا سرمایہ تھا کہ وہ مالکوں کو غلاموں کی قیمت ادا کر کے اُن کے ساتھ انصاف کرتا۔ اور نہ غلاموں کی معیشت کے لئے اُس کے پاس کافی انتظام تھا۔ دوسری قومیں اسلام سے برسرِ پیکار تھیں غیر مسلم برابر مسلمانوں کو جنگ میں گرفتار کرتے تھے، اور انہیں اپنے رواج کے مطابق غلام بنا لیتے تھے، اسلام کے لئے ضروری تھا کہ وہ جنگجو اقوام کے مقابلہ میں نقصان کا توازن قائم کرنے کے لئے صرف جنگ کے موقع پر غلامی کی اجازت دے۔ اسلام نے جنگ کے علاوہ ہر طرح کی غلامی منسوخ کر دی، اسلام نے غلامی کو صرف ایک جنگی سزا قرار دیا اور یہ سزا بھی عارضی تھی۔ اسلام سے پہلے دنیا کی قومیں غلامی کو انسان کی مستقل صفت سمجھتی تھیں۔ اور انسان کو آزاد و غلام میں

تقسیم کرتی تھیں۔ تمدنی و معاشرتی حقوق آزاد سے مخصوص تھے، غلام آقا کا ایک سرمایہ تھا۔ جس پر اسے ہر طرح کے تصرف کا اختیار تھا۔ رسولِ خدا نے اسلامی جنگوں میں زیادہ تر اسیروں کو معاف کر دیا، یا جرمانہ لے کر چھوڑ دیا۔ بہت کم قیدی غلام بنائے گئے۔ قرآن و حدیث و فقہ میں غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور ان کو آزاد کرانے کی سینکڑوں مقامات پر ہدایت کی گئی ہے، اور اسے بہترین عمل قرار دیا۔ اسلام نے غلامی کے قدیم تصور کو بدل کر "برادری" کا درجہ دیا۔ غلاموں کے انسانی حقوق کی طرف توجہ دلائی۔ جہاں تک غلامی کی حیثیت سزا کی ہے۔ غلام و آزاد میں فرق رکھا۔ لیکن معاشرتی و تمدنی حقوق میں آقا و غلام میں کوئی فرق نہیں رکھا۔

غلام آزاد کرانے کی متعدد قہری و لازمی صورتیں نکالیں۔ اکثر گناہوں بلکہ بعض چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی تلافی کے لئے غلام کی آزادی کو کفارہ قرار دیا۔ غلاموں کو ہدایت کی کہ اگر وہ خود اپنی قیمت ادا کر کے آزاد ہونا چاہیں تو سعی کریں۔ اور آقا انھیں آسانی بہم پہنچائیں۔ ایسے قوانین بنائے کہ غلام خود بخود آزاد ہو جائیں۔ غلام آزاد کرنے کے متعلق رسولِ خدا کی حدیث ہے۔ من اعتق مومنا اعتق اللہ بکل عضو منہ عضوا من النار جس نے کسی مومن غلام کو آزاد کیا خدا غلام کے ہر عضو کے عوض میں اس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کرے گا۔

آزاد ہونے کے بعد غلام آقا کے خاندانی شرف میں شریک ہوتا تھا۔ اسے اسلام میں ولاء کہتے ہیں۔ اسی کے متعلق ہے الولاء لحمۃ النسب" ولا ایک طرح کی قرابت ہے، حدیث رسول ہے۔ مولی القوم منھم "کسی قوم کا آزاد کردہ غلام اسی کا ایک فرد ہوتا ہے۔ اسلام میں آزادی کے بعد غلام مطلق العنان و با اختیار ہوتا تھا۔ فوج کی قیادت، نماز کی امامت کرتا۔ اندرونی و بیرونی معاملات میں اپنے صوابدید کے مطابق زندگی بسر کرتا۔ اسلام نے غلاموں کی انسانی ترقی، روحانی

فرماتے ہیں کہ :-

(۱) شیخ[عہ] طوسی نے اپنے رجال میں عقبہ کو امام حسینؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے

(۲) مشہور مورخین (طبری وغیرہ) نے عقبہ کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ جناب رباب کے غلام تھے

(۳) کربلا کا واقعہ جس طرح رونما ہوا۔ عقبہ نے اسی طرح بیان کرنا اپنا شغل بنایا تھا

(۴) عقبہ کربلا کے واقعات کے ماخذ اور مصدر ہیں

شیخ طوسی کا اپنے رجال میں یہ تصریح کرنا کہ عقبہ امام حسینؑ کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کی رشک کے قابل فضیلت ہے ہر شخص کا یہ نصیب کہاں کہ وہ امام کے اصحاب کے زمرہ میں شمار ہو سکے۔ شیخ طوسی بہ نسبت ہمارے عقبہ سے قریب تر تھے انہوں نے قدیم ترین مصادر سے یہ رائے قائم کی۔ شیخ طوسی علم رجال کے بہت بڑے

عہ۵ تنقیح المقال۔ مامقانی ۲۵۴/ج۲ مطبوعہ عراق ۱۳۵۲ھ مطبع مرتضوی محمد صادق علامہ مامقانی متوفی ۱۳۵۱ھ رجال میں بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے، ان کے والد بھی بڑے پایہ کے بزرگ تھے

۱۰۵/۲ تنقیح المقال

عہ۶ شیخ طوسی محمد بن حسن بن علی طوسی ابو جعفر مولود ۳۸۵ھ متوفی ۴۶۰ھ اخبار و رجال و فقہ و اصول و کلام و ادب کے عالم تھے شیخ مفید کے شاگرد تھے ہر فن میں ان کی تصانیف ہیں تہذیب الاحکام کتاب الاستبصار، کتاب النہایۃ، المفصح فی الامامۃ، تلخیص کتاب الشافی۔ مختصر ما لا یسع المکلف الاخلال بہ کتاب العدۃ (اصول میں) کتاب الرجال من روی عن النبی وعن الائمہ الاثنا عشر ومن تاخر عنہم، فہرس کتب الشیعہ۔ کتاب المبسوط (فقہ) کتاب ما یعلق و ما لا یعلق کتاب الجمل والعقود (عبادات) کتاب الایجاز فی الفرائض وغیرہ کے مصنف ہیں مفصل حالات دیکھیے ۱۱۱/۳ تنقیح المقال تصنیف حضرت علامہ مامقانی

ماہر تھے۔ اُن کا عقبہ کو امام کا صحابی کہنا عقبہ کی سینکڑوں خوبیوں کی ضمانت ہے تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ کے امین تھے۔ امام اکثر ضرورتوں میں ان کو یاد فرماتے تھے جیسا کہ طبری نے حُر کی فوج سے امام کی گفتگو کے ذیل میں لکھا ہے کہ امام نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ ان لوگوں کے خطوط کے دونوں تھیلے میرے پاس اٹھا لاؤ" یہ مضمون تاریخ کی اور کتابوں میں بھی موجود ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی نظر میں عقبہ اعتماد کے قابل تھے۔ کیونکہ خطوط وغیرہ ایک رازدار امین کی ہی حفاظت میں رکھے جا سکتے ہیں اگر امام عقبہ کو بھروسہ کے قابل اور معتبر نہ سمجھتے تو عوام کے پیش رو لوگوں کے خطوط انہیں سپرد نہ فرماتے

مناقب ابن شہر آشوب میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے عقبہ سے جو آپ کے اصحاب میں سے تھے یہ ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے خطوں کے دونوں تھیلے لاؤ" علامہ شہر آشوب کی اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی عقبہ کو اصحاب کے زمرے میں شمار کرتے تھے

طبری (۳۴۲/۲) میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک موقع پر حضرت نے سواری ٹھہرائی اور عقبہ کو اس کے باندھنے کا حکم دیا غرض ان تمام امور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عقبہ امام کے مخصوص لوگوں میں سے تھے اور آپ کے اہم معاملات ان سے متعلق تھے

عقبہ کس طرح زندہ رہے

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب اہل بیت کے قید کئے جانے کا سلسلہ شروع ہوا تو فوج نے عقبہ کو بھی

ؔ محمد بن علی بن شہر آشوب متوفی ۵۸۸ھ فقیہ و شاگرد ادیب کتاب الرجال، کتاب غیبۃ آل ابی طالب مناقب آل ابی طالب، معالم العلماء، تنقیح المقال مامقانی ۱۵۷/۲ ہدایۃ الاحباب عباس محمد رضا قمی ص ۷۹

گرفتار کرلیا۔ ابن سعد کا سامنا ہوا تو اس نے پوچھا تم کون ہو؟ عقبہ نے کہا میں حضرت رباب کا غلام ہوں جس پر ان کو چھوڑ دیا

طبری (۲۵۱/۱۱) سے اس کی تائید ہوتی ہے، جو ذیل میں درج ہے کہ عمر بن سعد نے عقبہ بن سمعان کو جو رباب (زوجۂ امام حسینؑ) کے غلام تھے گرفتار کرلیا ابن سعد نے پوچھا تم کون ہو عقبہ نے کہا میں غلام ہوں جس پر ابن سعد نے ان کو چھوڑ دیا طبری نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ امام کی جماعت میں عقبہ کے سوا کوئی نہ بچا۔ ہاں موقع بن ثمامہ اسدی گھٹنے ٹیک کر جہاد کر رہے تھے کہ ان کی قوم آگئی اور کہا تمہیں امان ہے ہمارے ساتھ چلو (اور اپنے ساتھ لے گئے) عقبہ نے رہائی کے بعد نہ تو گوشہ نشینی اختیار کی نہ اپنے لبوں پر خاموشی کی مہر لگائی اور نہ حکومت کا ساتھ دیا بلکہ کربلا کا واقعہ بیان کرتے رہتے تھے جس سے واقعہ کے نقوش ابھرے اور راویوں نے ان کے ذریعہ سے کربلا کے واقعات مرتب کئے

اگر عقبہ کربلا کے میدان میں شہید ہو جاتے تو بے شک ایک بہت بڑے مرتبہ پر پہنچ جاتے لیکن قدرت نے ان سے کربلا کے واقعات کی اشاعت کے شاندار کام لئے اور اگرچہ لوہے کی تلوار سے متواتر جہاد کرتے رہے جس طرح کربلا کے واقعہ سے پہلے وہ امامؑ کے بھروسہ کے آدمی تھے بعد میں بھی وہ وفادار عقیدتمند کی طرح امامؑ کی خدمت کرتے رہے

عاشورہ کی رات جب امامؑ نے اپنے سب ساتھیوں کو خواہ وہ عزیز تھے یا انصار آزاد تھے یا غلام جان کی حفاظت کی اجازت دے دی تو عقبہ ان لوگوں میں شامل نہیں ہوئے

عـــہ ابن زیاد نے ان کو زارہ میں بھیج دیا یہ عمان میں ایک مقام ہے یہاں جلا وطن قیدی بھیجے جاتے تھے۔ موقع بن ثمامہ بن اثال اسدی صیداوی کے حالات دیکھو رجال مامقانی ۲۵۴

جنہوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن وہ عاشور کے دن شہید بھی نہیں ہوئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیوں شہید نہیں ہوئے

اس بحث کا فیصلہ کرنا بہت ہی آسان ہے کیونکہ تمام واقعات کافی روشنی میں سامنے آچکے ہیں کہ عقبہ پر امام کو وثوق تھا وہ امام کی نظر میں معتبر تھے اور امام کی ذاتی خدمت کرتے تھے ———— سربرآوردہ اور معتمد لوگوں کے خطوط بھی عقبہ کے سپرد رہتے تھے آج کل کے زمانہ میں بڑے آدمیوں کے اس قسم کے کام کرنے والے لوگ پرائیویٹ سیکرٹری کہے جاتے ہیں یا کنفیڈنشل کلارک یا پرسنل کلارک یا کیمپ کلارک کہلاتے ہیں جس سے عقبہ کے خدمات کی نوعیت پورے طور پر عیاں ہو جاتی ہے یہ بھی ثابت ہے کہ عقبہ عاشورہ کی رات کو بھی خدمت انجام دے رہے تھے اور عاشور کے دن بھی امام کی خدمت میں حاضر تھے اور شہادت کے بعد دشمن کی فوج نے انہیں گرفتار بھی کر لیا تھا۔ ان تمام امور کے ساتھ یہ واقعات بھی پورے طور پر ثابت ہیں کہ کربلا کے واقعہ کے بعد عقبہ عمر بھر پوری وفاداری اور دیانت داری کے ساتھ سچی خدمت کا حق ادا کرتے رہے ان واقعات سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ کسی خاص ضرورت نے عقبہ کو جہاد میں شامل ہونے سے روکا لیکن اس ضرورت کا اظہار نہ تو امام حسینؑ نے فرمایا نہ امام زین العابدینؑ نے اور نہ امام محمد باقرؑ نے اور نہ اہل بیتؑ میں سے کسی اور نے اور خود عقبہ کا بھی کوئی بیان ہمیں نہیں ملا جس میں اس پر کوئی اشارہ ہو۔ واقعات کی بناء پر ہم کامل یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ سے امام کی ہجرت تک عقبہ کی زندگی راز میں ہے، اور ان کا شہید نہ ہونا بھی ایک راز ہے اور خود عقبہ امام حسینؑ کے رازدار اور اسرار کے حافظ و حامل اور نہایت معتبر اور معتمد شخص تھے۔ یہ بالکل صاف ہے۔ کہ حضرت امام حسینؑ، حضرت امام زین العابدینؑ، حضرت امام محمد باقرؑ اور تمام اہل بیت خصوصاً جناب رباب نے نے شکایت کا کوئی حرف اپنی زبان پر جاری نہیں فرمایا اور

اور اگلے علماء نے بھی کبھی کوئی شک وشبہ ظاہر نہیں کیا۔ علماء کے حالات یہ ہیں کہ شیخ طوسی نے عقبہ کو امام حسینؑ کے اصحاب کی صف میں شمار کیا اور شیخ مفید اور ابن طاؤس نے شہیدان کربلا کے ساتھ عقبہ پر سلام بھیجا

علامہ مجلسی بھی اسلام بھیجنے میں شامل ہیں۔ چنانچہ بحارؒ جلد ۲۲ کتاب زیارت میں اعمال کے سلسلہ میں امام حسینؑ اور دوسرے اماموں کی زیارتوں کے بعد یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ پھر زائر شہیدوں کی طرف متوجہ ہوں اور سعید بن عبد اللہ، حر بن یزید ریاحی زہیر بن قین، حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ اور عقبہ بن سمعان پر سلام کرے

ان تمام امور سے نہ صرف حقیقت بے نقاب ہوتی بلکہ یہ پورے طور پر ثابت ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء جو دین کے ستون کہے جاتے ہیں عقبہ کی تعریف و توصیف میں تر زبان ہیں، اور ان کی نظر میں عقبہ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ وہ زیارات میں انہیں شہیدوں میں شامل کرتے ہیں

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

صرف اس بات پر اعتراض کہ عقبہ کیوں زندہ رہے غلطی ہے زندگی حبیب اللہ کے لیے اور موت حبیب اللہ کے لیے ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے یہ بھی واضح رہے کہ عاشورہ کے دن صرف اکیلے عقبہ زندہ نہیں رہے بلکہ موقع بن ثمامہ جہاد کرنے کے باوجود بھی زندہ رہے اور حسن مثنیٰ نے جہاد بھی کیا اور سخت زخمی بھی ہوئے لیکن پھر بھی زندہ رہ گئے اس لیے عقبہ کا زندہ رہ جانا کوئی قابل اعتراض امر نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ امام کی طرف سے مامور تھے کہ وہ زندہ رہیں اور شہادت امام اپنا فرض انجام دیں۔

حیدرآباد، پاکستان

عہ [illegible] شب یکم رجب پانزدہم شعبان

عقبہ بن سمعان کے مقتل کا ماخذ عقبہ بن سمعان کا جو مقتل اس وقت پیش کیا جا رہا ہے اسے عقبہ نے خود ترتیب نہیں دیا اور نہ کبھی کسی نے اسے مقتل کے نام سے یاد کیا ہماری زندگی میں جو اس سلسلے میں انہوں نے بیان کیا ابھی اس تک دسترس نہیں ہوئی ہے یہ ان کی ایک نشست کا بیان ہے جسے راویوں نے ہم تک پہنچایا ہے اور اب اس کے مختلف ٹکڑے جمع کرکے اسے مقتل کی شکل دے دی ہے اور اس کا نام مقتل عقبہ بن سمعان رکھا ہے یہ ہمیں تاریخ الرسل والملوک مؤلفہ ابو جعفر محمد ابن جریر طبری عسہ میں ملا ہے جس میں اس کے ٹکڑے دو سندوں سے منقول ہیں یعنی عقبہ بن سمعان نے (۱) عبد الرحمٰن بن جندب ازدی سے کہا اور (۲) حارث بن کعب زاہبی سے کہا ان دونوں نے ابو مخنف کو بتایا، ابو مخنف نے ہشام عسہ کو سنایا۔ طبری ہشام سے روایت کرتے ہیں طبری عسہ بڑے مشہور شخص ہیں۔ تفسیر حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ مختلف علوم میں ان کے تصانیف ہیں۔ انہوں نے اپنی تاریخ کی بناء اسناد پر رکھی ہے ایک واقعہ کو کئی سلسلوں سے بیان کرتے ہیں جن سے تحقیق کرنے والوں کو بحث و نظر میں کافی مدد ملتی ہے۔

اگرچہ اسلامی تاریخ کی ہر مبسوط کتاب میں واقعہ کربلا کے سلسلہ میں عقبہ کا ذکر عموماً آتا ہے لیکن پھر مورخین اجمال و اختصار کی طرف مائل ہو گئے اور اسناد کے سلسلہ کا رواج جاتا رہا اس لئے دوسرے واقعات کی طرح کربلا کے واقعہ میں بھی اختصار

عہ ج ۶ مطبوعہ مطبع حسینیہ مصر۔ مطبوعہ یورپ ص ۲۳۲ و ص ۲۳۳ و ص ۲۷۶ و ص ۳۰۶ و ص ۳۱۴

عسہ ہشام بن محمد کلبی نے ایک کتاب مقتل الحسین تیار کی تھی۔

عسہ مولود ۲۲۴ھ متوفی ۳۱۰ھ

نظر آنے لگا اور طبری کے سوا کسی دوسری تالیف میں عقبہ کا اتنا مفصل بیان نہیں ملتا جو کربلا کے حادثہ کے آغاز اور انجام پر حاوی ہو۔ غرض عقبہ کے مقتل کا سب سے بڑا حصہ صرف طبری ہی کے ذریعہ سے ہمیں ملتا ہے اور دوسرے مورخین عقبہ کا اتنا مفصل بیان نہیں ملتا جو کربلا کے حادثہ کے آغاز اور انجام پر حاوی ہو غرض عقبہ کے مقتل کے خاص خاص حصے کہیں کہیں نقل کیا کرتے ہیں چنانچہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ارشاد[عہ] میں امام حسینؑ کا خواب عقبہ ہی کی زبانی نقل فرمایا ہے اس سلسلہ میں طبری اور شیخ مفید نے عقبہ کا جو بیان نقل کیا ہے اگرچہ اس میں کہیں کہیں اختلاف بھی ہے مثلاً بعض جملے طبری کے یہاں نہیں بلکہ شیخ کے یہاں موجود ہیں اور بعض شیخ مفید کے یہاں موجود نہیں ہیں لیکن طبری کے یہاں ہیں تاہم اختلافات کی توجیہ کئی معمولی طریقوں پر کی جا سکتی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں نے عقبہ کے مقتل کو جن نسخوں سے نقل کیا ہے ان کا سلسلہ سند جدا جدا ہوگا

ایک بے اصل افسانہ کی تاریخی تنقید

تاریخ طبری میں ایک واقعہ یہ درج ہے کہ امام جب تنعیم پہ پہنچے تو انہیں ایک قافلہ ملا جو یمن کے گورنر بحیر بن ریسان کی طرف سے یزید کے پاس ورس (ایک جڑی بوٹی) اور کپڑے لئے جا رہا تھا جس کو امام حسینؑ نے روک لیا۔ پھر ساربانوں سے کہا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ ہمارے ساتھ عراق چلے تو ہم اس کو کرایہ دیں گے اور اچھا برتاؤ کریں گے۔ لیکن مجبوری کوئی نہیں

ظاہر ہے کہ سارا واقعہ نہایت غیر معقول ہے اور معاملہ دو صورتوں سے خالی نہیں (۱) یا تو اسلام کے کسی دشمن نے خود طبری کی کتاب میں تحریف کی اور عبارت بڑھا دی

عہ ص۲۳۷ مطبوعہ ایران ۱۳۰۸ھ

(۲۴) یا طبری نے جس کتاب سے نقل کیا اس کتاب میں کسی نے تحریف کی اور یہ مضمون بڑھا دیا اور اتفاق سے وہی کتاب طبری کو مل گئی جس نے من و عن نقل کر دی اس لیے بنیاد روایت سے بدخواہ کا مطلب یہ ہے کہ امام حسین نے وہ اونٹ لے کر یزید پر زیادتی کی جس کے سبب سے یزید نے امام حسینؑ پر چڑھائی کر دی اور انہیں قتل کر دیا اور یزید کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہو گیا تھا لیکن اس بہتان کے اضافہ و الحاق کرنے والے کی کوشش یونہی اکارت گئی اور معاملہ "مدعی سست گواہ چست" کا مصداق ہو کر ناکام رہ گیا اس بہتان میں اگر کچھ بھی حقیقت ہوتی تو امام کے دشمن آپ کے قتل کو جائز ثابت کرنے کے لیے ضرور اس کی آڑ لیتے لیکن امام کے قاتل شمر نے کبھی بھی یہ وجہ بیان نہیں کی اور نہ جنگ کے سپہ سالار عمر سعد نے، اور نہ کوفہ کے گورنر ابن زیاد نے اور نہ خود یزید نے بلکہ اس کے برخلاف یزید نے حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری ابن زیاد پر ڈالنا شروع کر دی تھی۔ اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ان سب لوگوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو بھی ۱۳ سو برس کے عرصہ میں کسی ایک دشمن نے اس نافہ پر اعتراض نہیں کیا اور نہ یہ حوصلہ ہو سکا کہ اس واقعہ سے کوئی استدلال کر سکے۔

یہ امر نہایت وثوق کے ساتھ ثابت ہے کہ عاشور کے دن تمام یزیدی فوج کے سامنے امام حسینؑ نے نہایت وضاحت سے بیان کیا کہ تم مجھ سے[عسہ] کس بات کا بدلہ چاہتے ہو؟ آیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے یا کسی کا مال لے لیا ہے یا کسی کو زخمی کیا ہے اور تکلیف پہنچائی ہے؟ لیکن فوج میں سناٹا تھا۔ کسی شخص سے کوئی جواب نہیں اور زیر بحث بہتان لگانے کا بھی حوصلہ نہیں کیا۔ اگر کوئی معاملہ ہوتا تو ہزاروں لاکھوں میں سے کیا کوئی ایک بھی نہ کہتا کہ آپ نے

عسہ ارشاد شیخ مفید ص ۲۴۸ مولود ۳۳۳ھ متوفی ۴۱۳ھ شیخ کے مفصل حالات دیکھو تنقیح المقال ص ۱۶۰ ج ۳ و طبری ۲۴۳ ج ۶ مطبوعہ مصر

یزید کو نقصان پہنچایا اور جنگ کی ابتدا کی اور تمام ذمہ داری آپ پر ہے
لکھنے والے کے چند جعلی الفاظ تو ضرور لکھ دیئے لیکن اُن کو یہ بھی تو بتانا چاہیئے کہ حج سے ایک ماہ بعد کربلا کا واقعہ ہوا اور اس عرصہ میں زیر بحث واقعہ کی اطلاع یزید کو کتنی دیر میں پہنچ سکتی تھی۔ اور کب پہنچی اور یزید نے بدلہ لینے کی کب ٹھان لی اور کب احکام جاری کئے اور کب وہ احکام کوفہ میں پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایک ماہ میں یہ تمام باتیں کسی طرح نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ جب یزید کی فوج اہل حرم کو قید کر کے لے گئی تو اس کو دمشق جانے کے لئے ساڑھے چودہ سو میل کا سفر طے کرنا پڑا تھا۔ اس کے علاوہ تاریخ کے اس مسلّمہ اور متفقہ واقعہ کو کس طرح مٹا دیا جائے گا کہ یزید نے خلافت کا تخت سنبھالتے ہی مدینہ کے گورنر ولید کو یہ لکھا کہ حسین سے بیعت لی جائے یا قتل کیا جائے جس سے معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ اور کوئی دوسرا واقعہ قتل کا سبب نہیں ہے اور جو نیا واقعہ بنایا جا رہا ہے وہ جھوٹ ہے

اس واقعہ میں جو بہتانِ عظیم تراشا گیا ہے اس کے بہت سے چھوٹے نمونے بیہودگی پر بھی اگر غور کیا جائے تو تمام اصلیت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ کامل یقین ہو جاتا ہے کہ ایک معدوم شے کو موجود ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً غور فرمایئے کہ امام حسینؑ کو اونٹوں کی کیا ضرورت تھی اور اگر ضرورت تھی تو کتنے اونٹوں کی چنانچہ یہ امر بالکل صاف ہے کہ امام حسینؑ کو اونٹوں کی کوئی بڑی ضرورت نہیں تھی کیونکہ آپ مکہ سے اپنا سفر شروع نہیں کر رہے بلکہ آپ تو مدینہ سے مکہ میں آئے تھے۔ اور ہر قسم کا پورا سامانِ سفر آپ کے ساتھ موجود تھا۔ یعنی آپ کو مطلق کوئی ضرورت ہی نہ تھی

اس حکایت میں یہ عجیب مہمل بات ہے کہ کچھ اونٹ والے عراق جانے کو تیار ہو گئے اور بعض نے انکار کر دیا۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ کتنے اونٹ والے کرایہ

پر چلنے کو تیار ہو گئے اور کتنوں نے انکار کر دیا۔ آخر کسی محدود تعداد کی ضرورت ہو سکتی ہے نہ کہ بے حد و بے شمار اگر اونٹ والے فی الواقع آزاد تھے۔ اور انہیں کوئی بھی مجبوری نہیں تھی تو یہ واقعہ محض غلط ہے کہ انہیں روکا گیا تھا اور اگر انہیں روکا گیا تھا تو پھر یہ ناقابل تسلیم ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مالک و مختار تھے۔

مان لیجئے کہ باربرداری وغیرہ کے لئے کچھ اونٹوں کی ضرورت ہی تھی تو اس کا انتظام مکہ سے چلنے سے پہلے ہونا چاہیئے تھا نہ کہ راستے میں کرنا چاہیئے تھا۔ کون شخص یہ قیاس کر سکتا ہے کہ مکہ سے ضروری سامان اونٹوں کے بغیر خود بخود چل رہا تھا لیکن راستے میں اس کے لئے اونٹ لئے گئے۔ یعنی ان باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مضامین ایک دوسرے سے مختلف ہیں

یہ بھی ایک اچنبھا ہے کہ حج کا موقع ہے اور چاروں طرف سے سواریاں آرہی ہیں اور بکثرت مل سکتی ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ اونٹ بیجا طور پر لے لئے گئے جو کاروباری نظر سے قطعی طور پر ناقابلِ یقین ہے کیونکہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی اور کرایہ کے اونٹ بکثرت موجود تھے۔ پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ بادشاہ کے لئے سامان جا رہا ہے لیکن کوئی محافظ ساتھ موجود نہیں۔ کیا یہ یقین کے لائق ہے؟ اور سامان جس قدر زیادہ تسلیم کیا جائے اتنے ہی محافظ بھی زیادہ تسلیم کرنا پڑیں گے۔

یہ واقعہ بھی یاد دلانے کے لائق ہے کہ راستے میں یزید کی فوج میں سے حرؑ کا رسالہ ناگہاں ایک دن امام سے آملا اور پھر متواتر ساتھ رہا، یہاں تک کہ سب کربلا میں پہنچ گئے۔ ظاہر ہے کہ راستے میں ہر چیز ان لوگوں کی نظر میں تھی۔ لیکن پھر بھی ان ایک ہزار آدمیوں میں سے کسی نے اونٹوں یا ان کے سامان کی نسبت کچھ بیان نہیں کیا اگر کوئی چیز ہوتی تو یہ ضرور دیکھتے اور اس کی نسبت کچھ بیان کرتے اور یزید

کی فوج کے سپہ سالار کو لازمی طور پر اطلاع دیتے لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ اور کیسے ہوتی جب کہ کوئی بات تھی ہی نہیں

یہ واقعہ تنعیم کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے اس لئے یہ بیان کرنا لازمی ہے کہ تنعیم کہاں ہے اور کیا چیز ہے؟ چنانچہ نووی نے اپنی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ تنعیم مکہ معظمہ سے عرفۃ تین چار میل پر ایک مقام ہے۔ اور یہ تو بہت سی کتابوں میں لکھا ہے اور لاکھوں حج کرنے والے جانتے ہیں کہ مکہ والوں کے لئے (خواہ ان کا قیام وہاں عارضی ہو یا مستقل) تنعیم میقات کے طور پر مقرر ہے جو شخص بھی مکہ میں داخل ہوتا ہے وہ تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھتا ہے۔ اور وہ شخص خواہ کئی مرتبہ اپنی طرف سے یا دوسروں کی طرف سے عمرہ بجالائے لیکن اس کو ہر مرتبہ تنعیم پر جاکر احرام باندھنا ضروری ہوتا ہے۔ یعنی تنعیم ایک ایسا مقام ہے جس پر پورے سال بھر لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ اور حج کے موسم میں آمد و رفت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اس کا صحیح اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اور پھر ایسے مقام میں اور مکہ سے اس قدر قریب کسی کی طرف سے حج کے موسم میں کوئی زیادتی ہونا ہرگز معقول نہیں اور اگر بالفرض ممکن ہو تو کسی طرح چھپ نہیں سکتی۔ لیکن اس وقت وہاں کے حاضرین نے ایسا واقعہ قطعاً بیان نہیں کیا اس کے علاوہ مکہ کی مقامی حکومت خود بھی امام حسینؑ کی مخالف تھی، ایک تو یزید کے حکم کے سبب سے اور دوسرے اس سے بھی کہ جب امام حسینؑ نے حج کو چھوڑ کے مکہ سے چلا جانا چاہا تو کامل ابن اثیر[عـ۵] کے مطابق اور خود طبری کے موافق حجاز کے گورنر کے آدمی معترض ہوئے جس پر طرفین کے آدمیوں میں کوڑے چلے لیکن امام حسینؑ روانہ ہو گئے۔ تو ان خاص حالات میں یہ کس

عـ۵ تہذیب الاسماء واللغات ص۴۳ نووی متوفی ۶۷۶ھ مطبوعہ

عـ۵ جلد چہارم مطبوعہ مصر ص۲۰

ذریعہ ممکن تھا کہ امام حسینؓ کے آدمی وہ اونٹ پکڑ لیں جن پر یزید کا سامان جا رہا ہو اور مقامی حکومت ہاتھ پہ ہاتھ دھرے چپ چاپ بیٹھی رہے یا حکومت کو معلوم تک نہ ہو جس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تنعیم پر کوئی بھی واقعہ نہیں ہوا[عہ]

یہاں پر یہ بیان کر دینا بھی سخت لازمی ہے کہ امام حسینؓ مجبوری کے عالم میں حج کو چھوڑ کے جا رہے تھے۔ ورنہ انہیں مکہ ہی میں قتل کر دیا جاتا تو اس حالت میں آیا امام حسینؓ کے لئے یہ ضروری تھا کہ حرم کی حرمت اور عزت کی حفاظت کی غرض سے مکہ کے حدود سے جلد باہر نکل جائیں۔ یا حضرت راستے میں اونٹوں کے روکنے وغیرہ میں اپنا وقت بے کار ضائع فرما سکتے تھے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد کی صحت میں کون کلام کر سکتا ہے۔ اونٹوں کے روکنے کا جب جھوٹا واقعہ بنایا گیا تو یہ بھی کہہ دیا کہ اونٹ والوں کو امام نے آزادی دے دی کہ جس کی مرضی ہو ہمارے ساتھ چلے اور جو چاہے نہ چلے یعنی یہ خود تسلیم کر لیا کہ امام کو اونٹوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی اس لیئے کہ اگر ضرورت ہوتی تو اونٹ والوں سے یہ کس طرح فرما سکتے تھے کہ جس کی مرضی ہو چلے اور جو نہ چاہے نہ چلے۔ بلکہ اپنی ضرورت کے لیئے ان کی مرضی کے خلاف ان کو ساتھ لینا چاہیئے تھا یا ان کو رضامند کرنے کی ہی کچھ کوشش ثابت ہوتی لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا جس کا یقینی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی واقعہ نہیں ہوا، نہ اونٹ روکے گئے، نہ ان کی کوئی ضرورت تھی اور ان کے ساتھ چلنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی گئی

زیر بحث واقعہ کی نوعیت سے ناظرین حیران نہ ہوں کیونکہ اسلام کے مخالفین ایسی ہی کاروائیاں کیا کرتے تھے۔ یا خود مسلمان سہو و غفلت یا بے احتیاطی و کم

عہ مقتل ابو مخنف مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۱ھ میں بھی اس جھوٹے پروپیگنڈے کا کسی صورت میں ذکر نہیں۔

نظری یا جماعتی عناد یا طمع یا خوف کی وجہ سے غلطیوں کا سبب ہو جاتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ جنگ بدر کے سلسلہ میں خود رسول خدا صلعم کی نسبت بھی منافقوں اور ان کے در پردہ دشمنوں کی طرف سے تصنیف کر دیا گیا تھا۔ کہ آپ نے مشرکین قریش کے تجارتی قافلہ پر مسلمانوں کو حملہ کی دعوت دے کر بدر کی لڑائی چھیڑی اور عقیدتمند مسلمان بھی اس فریب میں آ گئے خود اسی طبری میں جس میں امام حسین کی طرف زیر بحث واقعہ منسوب ہے۔ رسول خدا کے متعلق یہ بے اصل و نازیبا عبارت درج ہے:-

قالوا لما سمع رسول الله بابی سفیان مقبلا من الشام ، ندب المسلمین الیهم وقال هٰذه عیر قریش فیها اموالهم. فاخرجوا الیها. لعل الله ینفلکموها۔

"لوگوں نے کہا ہے کہ جب رسول خدا نے سُنا کہ ابو سفیان شام سے آ رہا ہے تو مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا یہ قریش کا قافلہ آ رہا ہے جس میں ان کا مال ہے۔ چلو شاید خدا تم کو اس میں سے مال غنیمت دلوائے"۔[1]

عام ارباب سیر بلکہ محدثین بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے جس کے متعلق مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ میں اس کے تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔[2]

عـ۱ طبری مطبوعہ یورپ ۱۲۹۲/۳ عـ۲ سیرۃ النبی ص ۳۲۱/۱ مولانا شبلی متوفی ۱۳۳۲ھ مطبوعہ ۱۳۳۱ھ عہد جدید کے مسلمان مورخ بھی اس وہم کا شکار ہیں کتاب حیات محمد ڈاکٹر محمد حسین ہیکل، مطبوعہ مصر ص ۲۵۱ ۱۳۵۴ھ میں ایسی عبارت لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) غزوہ بدر کا مقصد کاروان تجارت کو لوٹنا تھا قریش کے حملہ کا دفاع نہ تھا۔ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی میں عام مورخین وارباب سیرت و محدثین کی غفلت کے پردہ کو چاک کیا دیکھئے سیرۃ النبی غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر ص ۳۱۲/۱

پس جب کہ حضرت رسالت مآب ایسے واقعات کی زد میں لائے جاتے رہے تو
تو امام حسینؑ کی نسبت ایسے
واقعات کسی بھی حالت میں تعجب کا سبب نہیں ہو سکتے

تحریف و تصحیف کے اس سانحہ سے کسی شخص کو حیرت میں نہیں آنا چاہیئے۔ یہ کارروائی ہمارے سامنے اس قدر کثرت سے موجود ہے کہ اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب تالیف ہو سکتی ہے لیکن نمونہ کے لیئے یہ عجائب و غرائب کافی ہیں کہ غزوۂ تبوک جو حجۃ الوداع سے پہلے واقع ہُوا۔ اس کی نسبت بخاری کے ناسخ نے یہ لکھ دیا کہ حجۃ الوداع کے بعد واقع ہوا اور اسی طرح رسول اللہ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جو ہزارہا آدمیوں کے سامنے پڑھا گیا تھا حیرت انگیز ابہام و تحریف سے کام لیا گیا

اس امر سے کوئی خاص نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ زیر بحث عبارت عُقبہ کے بیان میں کب بڑھائی گئی یا طبری کی تاریخ میں۔ لیکن چونکہ اس عبارت کا الحاق و اضافہ یقین کی حد تک ثابت ہو چکا۔ اس لئے ہم نے مقتل متن مرتب کیا ہے اس میں سے یہ عبارت حذف کر دی ہے تاکہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے اس غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ عُقبہ جیسے بالبصیرت شخص نے ایسی بے بنیاد بات بیان کی ہے۔

مقتلِ عُقبہ کا ایک خاص امتیاز

اس مقتل کے متعلق جو آخری بات ہم کہنا چاہتے ہیں وہ اس کے ایک خاص امتیاز کو ظاہر کرتی ہے کہ عُقبہ بن سمعان نے بنی امیہ کے ایک نہایت کثیف پروپیگنڈے کو بے نقاب کیا

امام حسینؑ اور ابن سعد سے تنہائی میں جو گفتگو عاشورہ کی رات کو ہوئی تھی چونکہ عوام کو اس کے سننے کا موقع نہیں ملا اس لئے جس طرح سے ایسے اوقات میں خیال آرائیاں ہوا کرتی ہیں اس گفتگو کے متعلق بھی ایسی افواہ اڑی کہ جس کا حقیقت سے کوئی بھی رشتہ نہیں تھا۔ افواہ یہ تھی کہ امام حسینؑ نے عمر سعد سے فرمایا کہ میں یزید کے پاس چلنے کو تیار

ہوں۔ اور اسی مضمون کا ایک خط ابن سعد کی طرف سے ابن زیاد کے نام گڑھ لیا گیا تاکہ مؤرخین غلطی میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہاں تک ہوا کہ یہ خط بعض ایسی کتابوں میں بھی درج ہو گیا جن سے اس کے متعلق غفلت کی امید نہ تھی۔ کیونکہ یہ تصور کیا گیا کہ یہ خط و کتابت عمر سعد اور ابن زیاد کے مابین ہے۔ اور امام حسینؓ اس کے کوئی فریق نہیں ہیں

جس نے کچھ بھی تامل سے امام حسینؓ کے نفسیات کا مطالعہ کیا ہے وہ کسی بحث اور ثبوت کے بغیر اس بے اصل اتہام کے تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا۔ اور تاریخ کو قدم قدم پر اس کی رد کے لئے دلیلیں فراہم کرتی ہے چنانچہ امام کی شہادت کے بعد جب یزید عوام خاص کی نظر میں ذلیل ہو گیا اور اسے حکومت کے زوال کا اندیشہ ہوا تو وہ ابن زیاد کو مجرم قرار دینے لگا اور اپنی بے تعلقی کا اظہار کرنے لگا۔ اور اس نے یہاں تک کہا کہ اللہ ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے جس نے امام حسینؓ کو قتل ہو جانے پر مجبور کیا حسین نے چاہا تھا کہ کسی دوسرے ملک میں یا سرحدی مقامات پر چلے جائیں لیکن ابن زیاد راضی نہ ہوا"[عسہ]

اس بیان میں یزید نے یہ نہیں کہا کہ امام حسینؓ میری بیعت کیلئے آمادہ ہو گئے تھے طبری نے زیر بحث واقعہ کے متعلق متعدد اسناد سے کئی بیان نقل کئے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے[عسہ]

(۱) ابو مخنف نے مجالد بن سعید[عسہ] اور صقعب بن زہیر ازدی کے حوالہ سے بیان کیا کہ امام حسین نے یزید کی فوج کے سامنے تین باتیں پیش فرمائیں:۔

۱۔ میں مدینہ واپس جاؤں

عسہ تذکرہ خواص الائمہ ابن الجوزی ص۱۴۸ نوٹ: یہ واقعہ درج ص۲۶ پر

عسہ حدیث طبری ص۲۲۵ مصر

۲- اپنا معاملہ یزید کے سپرد کردوں

۳- یا مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دیا جاؤں

(۲) ——————— دوسرا سلسلہ ابو جناب اور ہانی بن ثبیت حضرمی کا ہے۔ ابو مخنف نے کہا کہ مجھ سے ابو جناب نے بیان کیا اور ان کو یہ خبر ہانی بن ثبیت سے پہنچی کہ امام اور ابن سعد سے رات کو تنہائی میں جو باتیں ہوئیں ان کا کسی کو علم نہیں ہوا لیکن بغیر سنے ہوئے لوگوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت نے فرمایا ہم تم فوج کو اسی جگہ چھوڑ دیں اور یزید کے پاس چلیں لیکن ابن سعد نے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ظاہر کیا اور یہ تجویز منظور نہیں کی (طبری ۲۲۵ - جلد ۶)

(۳) تیسرا بیان ابو مخنف نے لفاد حق پسند مؤرخ صداقت شعار عقبہ بن سمعان کا نقل کیا ہے جس میں عقبہ نے بڑے زور اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس افواہ کی رد کی اور کہا کہ میں امام کے ساتھ رہا مدینہ سے مکہ گیا اور مکہ سے عراق گیا اور حضرت سے کبھی جدا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت کی شہادت میرے سامنے واقع ہوئی ۔ شہادت کے دن تک لوگوں سے حضرت کی کسی گفتگو کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے

حاشیہ ۲۵

سے لوط بن یحییٰ بن سعید ابن مخنف کنیت ابو مخنف تھی مقتل الحسین و کتاب المختار وغیرہ کے مصنف ہیں (ان کے حالات ص۱۴ فہرس شیخ طوسی و تنقیح الایضاح علم الہدیٰ ابن محمد محسن میں دیکھیے)

لہ مجالد بن سعید بن عمیر بن سطام بن ذی مران بن شرحبیل بن ابی ربیعہ بن مرشد بن جشم ہمدانی (ابو عمرو) کوفی متوفی ۱۴۴ھ ضعیف الحدیث ہے (ص۳۹ تہذیب ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ)

سے عقبہ بن سمعان بن زہیر بن عبداللہ بن زہیر بن مسلم ازدی کوفی (ص۲۳۲ تہذیب ابن حجر مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۲۵ھ

نہ مدینہ میں نہ مکہ میں، نہ دراستے میں نہ عراق میں اور نہ فوج کے سامنے جیسے میں نے نہ سنا ہو۔ خدا کی قسم جس کا یہ لوگ چرچا کر رہے ہیں حضرت نے کبھی نہیں فرمایا کہ حضرت یزید کی بیعت پر آمادہ ہو گئے اور حضرت نے یہ فرمایا کہ مجھے اسلامی سرحد پر بھیج دو بلکہ حضرت نے فرمایا مجھے جانے دو، میں اس وسیع زمین کہیں چلا جاؤں اور دیکھوں کہ لوگوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ابن اثیر نے بھی عوام کی افواہ نقل کر کے عُقبہ کا بیان اس کی رد میں درج کیا ہے۔

علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے:-

"قلت وقد وقع فی بعض النسخ۔ ان الحسین قال لعمر بن سعد دعونی امضی الی المدینۃ۔ او الی یزید۔ فاضع یدی فی یدہ۔ ولا یصح ذلک عنہ۔ فان عُقبۃ بن سمعان قال صحبت الحسین من المدینۃ الی العراق ولم ازل معہ الی ان قتل۔ واللہ ما سمعتہ۔ قال۔ ذلک"

"میں یہ کہتا ہوں بعض نسخوں میں یہ ہے کہ امام حسینؑ نے عمر بن سعد سے فرمایا۔ مجھے چھوڑ دو میں مدینہ چلا جاؤں یا یزید کے پاس جا کر اس کی بیعت کر لوں لیکن حضرت کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے عقبہ بن سمعان نے کہا ہے کہ میں حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے عراق تک رہا اور ان کی شہادت کے وقت تک برابر ساتھ رہا۔ میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سُنا"

اس عبارت میں سبط ابن جوزی جو مسلمانوں میں بڑے مرتبہ کے عالم ہیں اور تفسیر و تاریخ کے بڑے پایہ کے مصنف ہیں بنی امیہ کے پروپیگنڈے کی قلعی کرتے ہیں اور عقبہ

عہ طبری ج۶ ص۲۳۵ عہ ابن اثیر ج۴ ص۲۹ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۵۴ھ، تذکرۃ خواص الامۃ ص۲۵۱ مطبوعہ ایران ص۲۸۵

بن سمعان کو سند میں پیش کرتے ہیں اور اُن کے بیان کو کامل حجت سمجھتے ہیں۔

اگر تاریخ کا مطالعہ اس نظر سے کیا جائے کہ عقبہ کے اعلان حق نے تاریخ کے عالم کو کس قدر متاثر کیا تو بڑی تعداد ان کے زیر اثر ملے گی۔ بنی امیہ کی حکومت کے شباب میں جب کہ پیغمبرؐ کے اہل بیت پورے طور پر لُٹ چکے تھے صدق اور حق کے سلسلہ میں تحسین و آفرین اور انعام و اکرام کی کوئی امید نہیں ہو سکتی تھی بلکہ مال، جان اور آبرو کا خطرہ تھا۔

نڈر اور سرفروش عُقبہ نے صرف یہی نہیں کہ مختلف مواقع پر واقعات کربلا کو نشر کیا بلکہ اس کے خلاف جو سازشیں کی گئیں اور واقعات کے مسخ کرنے اور صورت بدلنے کی جو تدبیریں ہوئیں ان پر خاص توجہ رکھی اور ان کی رد کرتے رہے اور اصل حقیقت کو پیش کرتے رہے عقبہ کے بیان سے تاریخ کو صحیح روشنی ملی۔ ورنہ دشمن نے اس شدومد سے پروپیگنڈا شروع کیا تھا کہ غیر تو غیر خود اپنے بھی اس کے دام میں آ سکتے تھے۔ ظلم و جور کے اس زمانہ میں شعراء امام کا مرثیہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ جیسا کہ ابوالفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں لکھا ہے کہ بنی امیہ کے ڈر اور خوف سے شاعر امام کا مرثیہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ اور جب یہ حالت تھی تو کسی امر کی رد کا حوصلہ کہاں ہو سکتا تھا سوا اس کے کہ عُقبہ بن سمعان کی ایمانی قوت نے ان کی مدد کی۔

واقعۂ کربلا کے ابتدائی حالات کا ایک قدیم ترین گرانقدر ماخذ

مقتل عقبہ بن سمعان کا ترجمہ

(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے ہشام بن محمد بن سائب کلبی سے اور ہشام نے ابو مخنف سے اور ابو مخنف نے عبد الرحمٰن بن جندب سے۔ اور عبد الرحمٰن نے عُقبہ بن سمعان سے سُنا و عقبہ بن سمعان جناب رباب کلبیہ دختر امرائالقیس زوجۂ امام حسینؑ کے غلام تھے۔ جناب رباب امام حسینؑ کی صغیر سن دختر جناب سکینہ کی والدہ تھیں۔

عُقبہ نے کہا ہم مدینہ سے نکلے اور ہم نے عام شاہراہ کو اختیار کیا اہل بیت نے امام سے کہا کہ اگر عام شاہ راہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار فرمائیں جیسا کہ ابن زبیر نے کیا ہے تو آپ کو کوئی گرفتار نہ کر سکے گا امام نے فرمایا بخدا میں شاہراہ کو نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ قضائے الٰہی جو بہتر سمجھے وہ کرے

(۲) عُقبہ نے یہ بھی کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن مطیع ملے چنانچہ عبد اللہ نے امام سے عرض کیا (میں آپ پر نثار) کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا اس وقت تو میں مکہ جا رہا ہوں آئندہ خدا سے استخارہ کروں گا۔ عبد اللہ نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے اور ہمیں آپ پر قربان کرے جب آپ مکہ پہنچیں تو کوفہ کے قریب ہرگز نہ جائیں۔ وہ بڑا ہی منحوس شہر ہے۔ وہاں آپ کے باپ قتل ہوئے۔ بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور ان پر ایسا حملہ کیا گیا جو مہلک ہو سکتا تھا آپ عرب کے سردار ہیں، حرم میں قیام کیجیے۔ اہل حجاز آپ کے ہوتے ہوئے کسی طرف رخ نہ کریں گے۔ ہر طرف سے لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ حرم کو نہ چھوڑیں

(میرے ماموں اور چچا آپ پر نثار) خدا کی قسم اگر آپ ہلاک کر دیئے گئے تو آپ کے بعد ہم غلام بنا لیے جائیں گے

(۳) حضرت مکہ آئے۔ اہل مکہ آپ کے پاس آنے جانے لگے جن میں عمرہ بجا لانے والے بھی شامل تھے اور ہر طرف کے لوگوں نے بھی آنا شروع کیا۔ ابن زبیر کعبہ میں دن بھر نماز اور طواف میں گزارتے تھے مگر امام حسینؑ کے پاس دو دن تک متواتر یا ایک دن ناغہ کر کے آتے تھے اور انہیں مشورہ دیتے تھے حالانکہ امام کی موجودگی ابن زبیر پر نہایت شاق تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک امام مکہ میں ہیں میری بیعت کوئی نہیں کرے گا۔ اور نہ کوئی شخص اطاعت کرے گا اور سب کی نگاہ میں میری نسبت امام کی عظمت زیادہ ہے اور لوگ میری نسبت امام کی بیعت کے زیادہ خواہشمند ہیں

(۴) جب کوفہ میں (امیر) معاویہ کی وفات کی خبر آئی تو عراق والوں نے یزید کے متعلق چہ میگوئیاں شروع کیں اور کہنے لگے کہ حسینؑ ابن علی اور ابن زبیر نے بیعت نہیں کی بلکہ دونوں مکہ چلے گئے اس وقت کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا اس کی حکومت کے زمانہ میں کوفیوں نے امام حسینؑ کو خط لکھے

عقبہ نے بیان کیا کہ امام نے جب کوفہ کی روانگی کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن عباس حضرت کے پاس آئے اور کہا کہ عام افواہ ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں فرمایئے آپ کا کیا قصد ہے۔ امام نے فرمایا میں نے انشاءاللہ ان یا پرسوں کسی ایک دن جانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ ابن عباس نے کہا میں آپ کو اس ارادہ سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں مجھے یہ بتلایئے کہ کیا آپ ایسی قوم کے پاس جا رہے ہیں جس نے اپنے حاکم کو قتل کر دیا ہے اپنے دشمن پر قابو پا لیا ہے اور دشمن کو نکال دیا ہے۔ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو آپ شوق سے جایئے اور اگر ان کا حاکم

اُن پر مسلّط ہے اور عمّال ٹیکس وصول کر رہے ہیں اور اس حالت میں انھوں نے آپ کو اپنے پاس بلایا ہے" تو آپ کو جنگ کے لئے بلایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو دھوکا دیں گے اور آپ سے جنگ کریں گے۔ امام نے فرمایا "میں خدا سے استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کیا ہوتا ہے" اس کے بعد ابن عباس چلے گئے

(۶) ابن عباس کے بعد ابن زبیر حضرت کے پاس آئے کچھ باتیں کیں، وہ کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے بنی امیہ سے کیوں چشم پوشی کر رکھی ہے حالانکہ ہم لوگ مہاجرین کی اولاد میں سے ہیں اور اسلام کے حاکم ہیں۔ بنی امیہ کو حکومت کا حق کب ہے۔ فرمایئے کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ امام نے فرمایا "خدا میرا دل مجھے کوفہ میں جانے کو کہتا ہے۔ میرے دوستوں اور کوفہ کے اشراف نے مجھے خط لکھے ہیں میں اس امر میں خدا سے استخارہ بھی کروں گا۔ ابن زبیر نے کہا کہ اگر کوفہ میں میرے احباب ایسے ہوتے جیسے آپ کے ہیں تو میں اس سے منہ نہ موڑتا۔ پھر ابن زبیر کو اندیشہ ہوا کہ اس رائے میں امام ان پر خود غرضی کا الزام لگائیں گے اس لئے تو یہ بھی کہا کہ اگر آپ حجاز میں رہنا چاہیں تو یہاں رہ کر حکومت کرنا چاہیں تو انشاء اللہ آپ کی مخالفت نہ ہوگی اس کے بعد ابن زبیر چلے گئے۔ اور امام نے فرمایا کہ ابن زبیر کی دنیا میں سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں حجاز سے عراق چلا جاؤں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میری موجودگی میں ان کی کچھ نہ چلے گی۔ لوگ انہیں میرے برابر نہ سمجھیں گے۔ اس لئے ان کی خواہش یہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور یہ مقام ان کے لئے خالی ہو جائے

(۷) عقبہ کہتے ہیں کہ اسی دن شام کو یا دوسرے دن صبح کو ابن عباس آئے اور کہا "میں صبر کی کوشش کرتا ہوں لیکن مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ اس سفر میں مجھے آپ کی ہلاکت اور تباہی کا خوف ہے عراق والے غدار ہیں، ان کے پاس نہ جایئے مکہ

میں رہیئے آپ سید الحجاز ہیں۔ اگر عراق والوں کو جیسا وہ ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کی خواہش ہے تو آپ انہیں لکھیں کہ وہ اپنے دشمن کو وہاں سے نکال دیں پھر اس کے بعد آپ ان کے پاس جائیں

(۸) اگر آپ یہاں سے ضرور ہی جانا چاہتے ہیں تو یمن جایئے وہاں قلعے اور گھاٹیاں اور بہت وسیع زمین ہے وہاں آپ کے باپ کے ماننے والے بھی ہیں۔ آپ دشمن سے دور بھی رہیں گے آپ وہاں سے لوگوں کو خط لکھیئے آدمی بھیجئے اپنے داعی پھیلا دیجئے میرا خیال ہے اس طرح بعافیت آپ مقصد حاصل کر لیں گے امام نے فرمایا بخدا میں جانتا ہوں آپ میرے مخلص اور شفیق ہیں لیکن میں نے کوفہ کا سفر طے کر لیا ہے ابن عباس نے کہا اگر آپ جاتے ہی ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ قتل نہ کر دیئے جائیں جیسے عثمان قتل ہوئے اور ان کی عورتیں اور بچے ان کے قتل کا منظر دیکھ رہے تھے پھر ابن عباس نے کہا۔ آپ حجاز کو خالی کر کے ابن زبیر کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے (یعنی اپنے سفر سے ان کو خوشی کا موقع دیں گے) آج انہیں کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ ان کی طرف دیکھتا ہے خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں آپ کو بجبر روکوں اور آپ رک جائیں گے تو میں یہ کر گزرتا۔ پھر ابن عباس حضرت کے پاس سے چلے گئے اور عبداللہ بن زبیر کی طرف سے گزرے اور ابن زبیر سے کہا تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور یہ کہہ کر اشعار پڑھے (جن کا ترجمہ یہ ہے)

"اے چنڈول کیا کہنا تیرا، فضا تیرے لئے خالی ہے، شوق سے انڈے دے بچے نکال اور انڈے دینے کی جگہ کو خوب زم و درست کر لے"

ع ۔ یہ مثل پہلے پہل طرفہ بن عبد نے کہی تھی

ان اشعار کے بعد عبداللہ ابن عباس نے ابن زبیر سے کہا :۔

"حسینؑ عراق کو جا رہے ہیں تم اب حجاز میں قدم جماؤ"

(۹) جب امام حسینؑ مکہ سے نکلے تو مکہ کے گورنر عمرو بن سعید کے آدمیوں نے جو یحییٰ بن سعید کی سرکردگی میں تھے حضرت کو روکا۔ ان لوگوں نے امام سے کہا کہ واپس ہوجیے آپ کدھر جا رہے ہیں مگر حضرت نے واپسی سے انکار فرمایا اور سفر کو جاری رکھا چنانچہ دونوں جماعتوں میں مقابلہ ہوا اور دونوں طرف سے کوڑے استعمال ہوئے، لیکن امام اور ان کے ساتھی اپنے مقصد کے مطابق سفر کو جاری رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اس وقت گورنر کے آدمیوں نے پکار کر امام سے کہا (معاذ اللہ) آپ خدا سے نہیں ڈرتے جماعت سے نکلتے ہیں اور اس امت[عہ] میں افتراق اور اختلاف ڈالتے ہیں

اس پر امام نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی :۔

(ترجمہ) "میں اپنے عمل کا ذمہ دار ہوں اور تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو۔ تم سے میرے عمل کی بازپرس نہ ہوگی اور میں تمہارے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوں (پ ۱۱ یونس)

(۱۰) پھر حضرت تنعیم پہنچے (یہاں پر وہ عبارت حذف کر دی گئی جس میں تحریف ہوئی ہے اور جس پر مناسب جگہ پر کافی بحث ہو چکی اور تمام قرائن کی زبردست شہادت سے ثابت ہو چکا کہ تنعیم پر ہرگز کوئی واقعہ نہیں ہوا)

(۱۱) امام نے رات کے آخری حصہ میں پانی بھرنے اور پھر کوچ کرنے کا حکم دیا ہم نے حکم کی تعمیل کی جب ہم قصر بنی مقاتل سے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر چلے تو امام کی آنکھ لگ گئی۔ پھر انا للہ وانا الیہ راجعون و الحمد للہ رب العالمین فرماتے

عہ حکومت کے عمال اور وظیفہ خوروں کے علاوہ امام پر آیت افتراق و اختلاف پیدا کرنے کا الزام کسی نے نہیں لگایا باطل پرستوں نے انبیاء و مصلحین پر ہمیشہ یہ تہمت لگائی

ہوئے بیدار ہوئے اور دو یا تین بار انہیں کلمات کو دہرایا۔ جناب علی بن الحسین (علی اکبر) گھوڑے پر حضرت کی طرف آئے اور انا للہ کہہ کر عرض کیا آپ پر فدا ہوں۔ اس وقت یہ کلمات کیوں ارشاد فرمائے۔ امام نے فرمایا بیٹے میری آنکھ لگ گئی ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا ہے "یہ لوگ سفر میں مشغول ہیں اور موت ان کے ساتھ جا رہی ہے" میں نے سمجھا کہ ہمیں موت کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت علی اکبر نے کہا خدا آپ کو ہر بلا سے بچائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا۔ اس خدا کی قسم جس کی طرف تمام انسانوں کی بازگشت ہے بے شک ہم حق پر ہیں حضرت علی اکبر نے کہا۔ بابا پھر ہمیں حق پر ہوتے ہوئے موت کی کچھ پرواہ نہیں۔ امام نے فرمایا خدا تمہیں وہ بہترین جزا دے جو ایک باپ کی طرف سے بیٹے کو دیتا ہے

(۱۲) عقبہ کہتے ہیں کہ صبح کے وقت امام سواری سے اتر پڑے، نماز پڑھی اور جلدی سوار ہو گئے۔ اور اپنے اصحاب کے ساتھ بائیں طرف روانہ ہونے لگے اور چاہتے تھے کہ فوج کی گرفت سے اپنے ساتھیوں کو باہر نکال لائیں مگر حر بڑھ کر انہیں ہانپا کر اپنے حدود میں لے آتا تھا لیکن جب حر انہیں سختی کے ساتھ کوفہ کی طرف لے چلنا چاہتا تھا تو یہ سختی کے ساتھ مزاحمت کرتے اور اس کے قابو سے نکل جاتے تھے اسی صورت سے یہ قافلہ چلتا رہا یہاں تک کہ نینوا میں اس جگہ پہنچا جہاں پر امام حسینؑ کا قیام ہوا اس وقت ایک مسلح سوار کاندھے پر کمان رکھے کوفہ کی طرف سے آتا نظر آیا۔ سب رک گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ پہنچا تو اس نے حر اور اس کے ساتھیوں کو سلام کیا، اور حسینؑ اور ان کے اصحاب کو سلام نہیں کیا۔ اس نے حر کو ابن زیاد کا خط دیا۔ جس میں لکھا تھا "جہاں میرا خط اور قاصد پہنچے وہیں سے حسینؑ کو سختی کے ساتھ روک لو اور انہیں بے آب و گیاہ زمین پر قیام کے لئے مجبور کردو اور میں نے اپنے قاصد کو حکم*

۲ کے پورا ہونے کی اطلاع نہ حاصل کرلے تمہارے پاس سے جدا نہ ہو۔ والسلام"

*دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور جب تک میرے حکم ۲

(۱۳) جب حرؑ نے یہ خط پڑھا تو امام اور ان کے اصحاب سے کہا کہ امیر عبید اللہ ابن زیاد کا یہ خط ہے۔ اور اس میں مجھے حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو اسی جگہ قیام پر سختی کے ساتھ مجبور کروں اور اس قاصد کو یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ جب تک حکم کی تعمیل نہ ہو مجھ سے الگ نہ ہو۔ یزید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثاء کندی نے ابن زیاد کے قاصد کو دیکھ کر پہچانا اور کہا تم مالک بن نسیر بدی ہو" پھر اس نے اقرار کیا اور وہ قبیلۂ کندہ سے تھا۔ یزید بن زیاد نے کہا" خدا تمہیں غارت کرے۔ تم کاہے کے لئے آئے ہو؟" اس نے کہا" کاہے کے لئے آیا ہوں! میں نے اپنے امام کی اطاعت کی ہے اور اپنی بیعت کو پورا کیا ہے" ابو الشعثاء نے کہا" تم نے اپنے خدا کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کی جس سے اپنے آپ کو ہمیشہ کی ہلاکت میں مبتلا کیا اور ننگ اور عذاب کو اپنے لئے حاصل کیا (قرآن میں ہے کہ کچھ ایسے بھی امام ہیں جو جہنم کی آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور قیامت کے دن کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا (قصص ۴۱) آخر حرؑ نے ان لوگوں کو اترنے پر مجبور کیا ایسے مقام پر جہاں نہ پانی تھا اور نہ کوئی آبادی ان لوگوں نے کہا ہم کو اس قریہ یعنی نینوا میں اترنے دو یا اس قریہ غاضریہ میں، یا اس تیسرے شفیہ میں۔ حرؑ نے کہا بخدا مجھ سے یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ شخص مجھ پر نگران بنا کے بھیجا گیا ہے۔

(۱۴) زہیر بن قین نے کہا۔ فرزند رسولؐ! ان لوگوں سے جنگ کرنا ہمارے لئے زیادہ آسان ہے بہ نسبت ان سے جنگ کے جو ان کے بعد آئیں گے۔ یقیناً اس کے بعد اتنی فوجیں آئیں گی جن کے مقابلہ کی ہم کو طاقت نہ ہوگی۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں ان سے جنگ میں ابتدا نہیں کرنا چاہتا۔

(۱۵) پھر زہیر بن قین نے کہا کہ چلئے اس قریہ میں قیام کریں یہ محفوظ بھی ہے اور فرات کے کنارے بھی ہے۔ اگر یہ ہم کو روکیں تو ہم ان سے مقابلہ کریں ان سے مقابلہ بہر حال

بعد والوں کے مقابلہ سے آسان ہوگا۔ امام نے فرمایا گاؤں کون سا ہے جواب ملا دو عقر[عـــہ] حضرت نے فرمایا خداوندا میں عقر سے پناہ مانگتا ہوں پھر حضرت نے وہیں قیام کیا۔ اور یہ واقعہ محرم الحرام ۶۱ھ کی دوسری تاریخ پنجشنبہ کے دن کا ہے

(۱۶) دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ سے چار ہزار[عـــہ] فوج کے ساتھ آگیا ابن سعد کے امام حسین سے جنگ کے لئے آنے کا سبب یہ تھا کہ ابن زیاد نے اس کو اہل کوفہ کے ساتھ اس لئے جانے پر مامور کیا تھا جہاں دیلم والوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ابن زیاد نے ملک رے کی حکومت کا پروانہ بھی اسے لکھ دیا تھا اور وہاں جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ اس فوج کو لے کر حمام اعین میں جا کر ٹھہرا ہوا تھا۔ کہ امام حسین سے جنگ در پیش ہو گئی ابن زیاد نے اس کو بلایا اور کہا تم پہلے حسینؑ سے جنگ کے لئے

عـــہ فوج یزید کا شمار تیئیس ہزار سے ایک لاکھ تک معلوم ہوتا ہے حضرت صادق آل محمدؐ سے امام پر حملہ کرنے والوں کی تعداد تیئیس ہزار مروی ہے ۔ علامہ ابن طاوس کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں امام کے حملہ سے تیس ہزار فوج ٹڈی کی طرح بھاگتی تھی امام حسین کے رجز سے بھی فوج کی کثرت معلوم ہوتی ہے (ابن سعد قدر مانی عنوۃ) بجنود کوکوف اہا طلبین ۔ مطالب السئول ابن طلحہ شافعی میں ۲۲ ہزار بعض کتابوں میں ۹ ہزار ابن سعد کے ساتھ دو ہزار یزید بن رکاب کلبی کے ساتھ چار ہزار حصین بن تمیم سکونی کے ساتھ تین ہزار مازنی کے ساتھ دو ہزار نصر بن حلان کے ساتھ اس طرح تیس ہزار فوج ہوئی ابن شہر آشوب نے صرف امام کے ساتھ سے مقتولین کی تعداد ایک ہزار نو سو پچاس لکھی صرف تیر انداز چار ہزار تھے۔ شہدائے کربلا نے چار ہزار سے زیادہ آدمی قتل کیے۔ عقبہ نے فوج کی وہ تعداد بتائی ہے جو ابتدا میں ابن سعد کے ساتھ آئی اس کے بعد فوج میں اضافہ ہوتا رہا۔ عـــہ ارشاد میں یہ نہیں

سبیل سکینہ
حیدرآباد پاکستان

جاؤ۔ جب اس سے فراغت ہو جائے گی تو پھر اپنے کام پر جانا۔ عمر سعد نے کہا کہ اگر مناسب سمجھئے اور مجھے معاف فرما دیجیے تو بہتر ہے۔ ابن زیاد نے کہا ہاں یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب تم رے کی حکومت کا پروانہ ہمیں واپس کر دو۔ جب یہ سنا تو عمر سعد نے کہا کہ اچھا مجھے ایک دن کی مہلت دیجئے کہ میں غور کر لوں عمر سعد نے واپس اکر جس سے بھی مشورہ کیا اس نے منع کیا حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ جو اس کا بھانجا تھا آیا اور کہا کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ حسین سے جنگ کے لئے نہ جائیں خدا کے یہاں بھی گنہگار ہوں گے اور حق قرابت کے خلاف بھی ہو گا۔ بخدا تمام دنیا کا مال و حشم اور سلطنت آپ کے ہاتھ سے نکل جائے تو اس سے بہتر ہے کہ آپ خون حسین کا بار لئے ہوئے دنیا سے جائیں عمر سعد نے کہا جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کروں گا۔ لیکن عمر سعد نے جو کچھ کیا وہ ظاہر ہے (کاموں پوری)

(۱۷) عقبہ کہتے ہیں کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے۔ اور مکہ سے پھر عراق میں برابر ساتھ رہا اور آخر وقت تک آپ سے جدا نہیں ہوا اور آپ نے مدینہ مکہ، راستہ، عراق میں یا دشمن کی فوج سے جو بھی گفتگو کی اس کا ایک ایک لفظ میں نے سنا جو لوگ آپس میں یہ چرچا کرتے ہیں اور غلط گمان کرتے ہیں کہ آپ اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دینے پر راضی ہو گئے تھے بخدا امام حسینؑ کبھی بھی اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور نہ اس پر تیار ہوئے کہ آپ کسی سرحد پر بھیج دیئے جائیں بے شک آپ نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں خدا کی اس وسیع زمین میں کہیں چلا جاؤں۔ پھر دیکھا جائے گا کہ مسلمانوں کا انجام کیا ہونا ہے۔ ـــــ

عــه عمر سعد پر ہماری مفصل کتاب ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

مقتل عقبہ بن سمعان

(جمعہ و رتبہ السیّد مجتبیٰ حسن الکامونپوری الہندی)

(۱) عن ابی جعفر محمد بن جریر الطبری عن هشام بن محمد عن ابی مخنف، قال حدثنی عبد الرحمن بن جندب، قال حدثنی عقبة بن سمعان (مولی الرباب بنت امرء القیس الکلبیة امرأة الحسین وکانت مع سکینة ابنة حسین وهو مولی لابیها وهی اذ ذاک صغیرة) قال خرجنا فلزمنا الطریق الاعظم۔ فقال للحسین اهل بیته لو تنکبت الطریق الاعظم کما فعل ابن الزبیر۔ لا یلحقك الطلب۔ قال لا، والله لا افارقه حتی یقضی الله ما هو احب الیه۔

(۲) قال فاستقبلنا عبد الله بن مطیع، فقال للحسین جعلت فداك این ترید۔ قال امّا الآن فانی ارید مکة۔ واما بعدها فانی استخیر الله۔ قال خار الله لك۔ وجعلنا فداك۔ فاذا انت اتیت مکة فایاك ان تقرب الکوفة۔ فانها بلدة مشؤمة۔ بها قتل ابوك وخذل اخوك واغتیل بطعنة کادت تاتی علی نفسه۔ الزم الحرم۔ فانك سید العرب لا یعدل بك والله اهل الحجاز

---

(۱) طبری ص ۲۳۲ مطبوعہ یورپ۔

احداً، ويتداعى اليك الناس من كل جانب، لا تفارق الحرم فداك عمي وخالي، فوالله لئن هلكت لنسترقن بعدك -

(٣) فاقبل حتى نزل مكة - فاقبل اهلها يختلفون اليه ويأتونه ومن كان بها من المعتمرين واهل الآفاق، وابن الزبير بها قد لزم الكعبة. فهو قائم يصلي عندها عامة النهار ويطوف - ويأتي حسيناً فيمن يأتيه فيأتيه اليومين المتواليين. ويأتيه بين كل يومين مرة. ولا يزال يشير عليه بالرأي وهو أثقل خلق الله على ابن الزبير، قد عرف ان اهل الحجاز لا يبايعونه ولا يتابعونه ابداً ما دام الحسين بالبلد، وان حسيناً اعظم في اعينهم وانفسهم منه واطوع في الناس منه -

(٤) فلما بلغ اهل الكوفة هلاك معوية ارجف اهل العراق بيزيد - وقالوا قد امتنع حسين وابن الزبير ولحقا بمكة. فكتب اهل الكوفة الى الحسين - وعليهم النعمان بن بشير -

(٥) قال ابو مخنف وحدثني الحارث بن كعب الوالبي عن عقبة بن سمعان ان حسيناً لما اجمع المسير الى الكوفة اتاه عبد الله بن عباس، فقال يا ابن عم انك قد ارجف الناس انك سائر الى العراق فبين لي ما انت صانع. قال اني قد اجمعت المسير في احد يومي هذين ان شاء الله تعالى. فقال له ابن عباس فاني اعيذك بالله من ذلك - اخبرني رحمك الله اتسير الى قوم قد قتلوا اميرهم وضبطوا

عــــه ٢٧٢ طبری طبع یورپ -

بلادهم - ونفوا عدوهم - فان كانوا قد فعلوا ذلك فسر إليهم
وان كانوا انما دعوك اليهم وأميرهم عليهم قاهر لهم - وعماله
تجبي بلادهم - فانهم انما دعوك إلى الحرب والقتال، ولا
آمن عليك أن يغروك ويكذبوك ويخالفوك ويخذلوك
وان يستنفروا اليك - فيكونوا أشد الناس عليك - فقال له حسين
واني استخير الله وانظر ما يكون - قال فخرج ابن عباس من عنده

(٦) واتاه ابن الزبير فحدثه ساعة - ثم قال ما ادري ما تركنا
هولاء القوم وكففنا عنهم ونحن ابناء المهاجرين وولاة هذا الا
مر دونهم - خبرني ما تريد ان تصنع - فقال الحسين والله لقد
حدثت نفسي باتيان الكوفة ولقد كتب الى شيعتي بها واشراف
اهلها واستخير الله - فقال له ابن الزبير - اما لو كان لي بها
مثل شيعتك ما عدلت بها - قال ثم انه خشي أن يتهمه
فقال - اما انك لو اقمت بالحجاز ثم اردت هذا الامر ههنا
ما خولف عليك انشاء الله - ثم قام فخرج من عنده - فقال
الحسين ها - إن هذا ليس شيء يؤتاه من الدنيا احب
اليه من ان اخرج من الحجاز الى العراق - وقد علم انه
ليس له من الامر معي شيء - وان الناس لم يعدلوه بي -
فود اني خرجت منها لتخلو له

(٧) قال فلما كان من العشي او من الغد اتى الحسين عبد الله
بن العباس - فقال يا ابن عم اني اتصبر ولا اصبر - اني اتخوف
عليك في هذا الوجه الهلاك والاستئصال - ان اهل

العراق قوم غُدّٰر فلا تقربنّهم ـ اقم بهذا البلد فانك سيّد اهل الحجاز ـ فان كان اهل العراق بريد وتك كما زعموا فاكتب اليهم فلينفوا عدوهم ـ ثم اقدم عليهم ـ فان ابيت الا ان تخرج فسر الى اليمن فان بها حصونًا و شعابا ـ وهى ارضٌ عريضةٌ طويلةٌ ولابيك بها شيعةٌ وانت عن الناس ـ فى عُزلةٍ، فتكتب الى الناس وترسل وتبث دعاتك ـ فانى ارجو ان يا تيك عند ذلك الذى تحبّ فى عافية، فقال له الحسينُ يا ابن عم انى والله لاعلمُ انك ناصح مشفق ـ ولكنى قد ازمعتُ على المسير ـ فقال له ابن عباس فان كنت سائرًا فلا تسر بنسائك وصبيتك فوالله انى الخائف ان تقتل كما قُتل عثمان ونساءه ينظرون اليه ـ ثم قال ابن عباس لقد اقررتَ عين ابن الزبير بتخليتك اياه والحجاز، والخروج منها، وهو اليوم لا ينظر اليه احدٌ معك ـ والله الذى لا اله الا هو لو اعلم انك اذا اخذتُ شعرك وناصيتك حتى يجتمع على وعليك الناس اطعتنى لفعلتُ ذلك عه ـ قال ثم خرج ابن عباس من عنده ط

عه جمع غدر وکفیور عـه عقبہ نے امام کا ابن عباس کو جواب نقل نہیں کیا۔ مروج الذہب مسعودی ج۲ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ میں ہے کہ امام نے فرمایا۔

,,لان اقتل والله بمكان كذا احب الى من ان استحل بملة"

,,بخدا اگر میں فلاں مقام پر قتل ہو جاؤں تو پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ مکہ کی حرمت ضائع ہونے دوں"

لید شہادت امام ابن عباس امام کا مقصد سفر سمجھے۔ دیکھو مقتل ابن واضح"

فمرّ بعبد اللہ بن الزبیر ثم قال۔

یَا لَکِ مِنْ قُبَّرَۃٍ بِمَعْمَرٍ ... خَلَا لَکِ الْجَوُّ فَبِیْضِیْ وَاصْفِرِیْ

وَنَقِّرِیْ مَا شِئْتِ اَنْ تُنَقِّرِیْ

ھٰذا الحسینؓ یخرج الی العراق وعلیک بالحجاز

(۹) قال ابو مخنف حدثنی الحارث بن کعب الوالبی عن عُقبۃ بن سمعان قال لما خرج الحسینؓ من مکۃ اعترضہ رُسُل عمرو بن سعید بن العاص علیھم یحیی بن سعید۔ فقالوا لہ انصرف این تذھب فابیٰ علیھم ومضی، وتدافع الفریقان فاضطربوا بالسیاط ثم ان الحسینؓ واصحابہ امتنعوا منھم امتناعا قویا۔ ومضی الحسینؓ علی وجھہ فنادوہ یا حسینؓ الا تتّقِ اللہ تخرج من الجماعۃ وتفرق بین ھٰذہ الامۃ فقال حسینؓ قول اللہ جلّ وعزّ لی عملی ولکم

عہ ناسخ التواریخ ۱۵۷ میں ذیل کے اشعار یاد ہیں:۔

قد رحل الصیاد عنک فابشری ... وقد رفع الفخ فما ذا تحذری

لا بُدّ من صیدک یوما فاصبری

ھذا الحسینؓ خارجٌ فابشری - الی العراق راجیاً للظفر

تینوں شعر اول کے طرفہ بن عبد کے ہیں۔ طرفہ نے انھیں بچپنے میں چنڈول کے شکار کے موقع پر پڑھا تھا۔ بعد کی تین شعر جن میں امام حسینؓ کا نام ہے ابن عباسؓ کے معلوم ہوتے ہیں قُبَّرہ کی جمع قنابر مفرد میں اطبا رنون نہیں کرتے عوام قنبرہ کہتے ہیں۔ معمر سرسبز جگہ۔ تحذری سے نون قافیہ کی رعایت یا التقائے ساکنین کی وجہ سے محذوف ہے۔ یہ مثل پہلے طرفہ بن عبد نے کہی پھر اس موقع پر بولی جانے لگی جب کوئی اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنے پر قادر ہو جائے۔

عَمَلُکُمْ۔ انتم بَرِیْئُوْنَ مِمَّا اَعْمَلُ وانا بریءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۴۱ یونس)

(۱) قال ثم ان الحسینؑ اقبل حتی مر بالتنعیم (ص۳۱۱ طبری)

(۱) (قال) ابو مخنف حدثنی عبد الرحمن بن جندب عن عقبة بن سمعان قال لما کان فی آخر اللیل امر الحسینؑ بالاستقاء من الماء ثم اَمَرنا بالرحیل ففعلنا۔ قال فلما ارتحلنا من قصر بنی مقاتل عہ وسرنا ساعة خَفَقَ الحسینؑ براسه خفقةً ثم انتبه وهو یقول۔ اِنا للهِ وَاِنَّا الیه راجعون والحمد للهِ رب العالمین قال ففعل ذلک مرتین وثلاثا۔ قال فاقبل الیه ابنه علی ابن الحسینؑ علی فرس له فقال انا لله واِنَّا الیه راجعون والحمد لله رب العالمین یا ابت جُعِلْتُ فِدَاکَ مِمَّ حَمِدْتَ اللهَ واسترجعت قَالَ یَا بُنَیَّ انی خفقت براسی خفقةً فَعَنَّ لی فَارِسٌ علی فرس فقال۔ القوم یسیرون۔ والمنایا تسری۔ الیهم فعلمتُ انها انفسنا نُعِیَتْ الینا۔ قال له یا ابت لا اراک اللهُ سوءًا۔ اَلَسْنَا علی الحق۔

عہ طبری ص۳۱۱

عہ طبری جلد ۳۰۶ مطبوعہ یورپ۔ مطبوعہ مصر صفحہ $\frac{118}{6}$ ج

سہ یہ قصر عین التمر اور شام کے درمیان تھا۔ مقاتل بن حیال کی طرف منسوب تھا قطقطانہ سے قریب واقع تھا۔

لہ تاریخ ج $\frac{15}{6}$ میں ہے کہ خراب منزل ثعلبیہ میں دیکھا۔ ثعلبیہ مکہ کے راستے میں ایک منزل ہے۔ اسی جگہ ایک گاؤں تھا۔

قال بلے والذی الیه مرجع العباد قال یا ابتِ اذاً لا نبالی نموتُ محقّین۔ فقال له جزاك الله من ولد خیر ما جزی ولداً عن والدہٖ۔
(۲) قال فلما اصبح نزل فصلی الغداۃ ثم عجّل الرکوب (۱)
فاخذ یتیاسر باصحابه یرید ان یفرقهم۔ فیاتیه الحرعه بن یزید فیردّهم فیردّہ فجعل اذا ردّهم الی الکوفة ردّاً شدیداً امتنعوا علیه فارتفعوا فلم یزالوا یتسایرون حتی انتهوا الی نینوی المکان الذی نزل به الحسینؑ، قال فاذا راکب علی نجیب لهٗ وعلیه السلاح متنکّبٌ قوساً مقبل من الکوفة۔ فوقفوا جمیعاً ینتظرونه۔ فلما انتهی الیهم سلّم علی الحر بن یزید واصحابه ولم یسلّم علی الحسین واصحابه فدفع الی الحر کتاباً من عبید الله بن زیاد۔ فاذا فیه۔ اما بعد۔ فجعجع بالحسین حین یبلغك کتابی ویقدم علیك رسولی۔ فلا تنزله الا بالعراء

عہ۔ حر بن یزید بن ناجیہ بن سعید من بنی ریاح بن یربوع من بنی تمیم۔ الحنیس تمیمی ریاحی و یربوعی بھی کہتے ہیں۔ عہ عبید اللہ بن زیاد بن ابیہ۔ عبید اللہ کی دادی سمیہ تھی عبید اللہ بن زیاد کے باپ زیاد کے کئی شخص مدعی ہوئے لیکن سیاست نے اُسے زیاد بن ابی سفیان مشہور کرایا۔ وہ زیاد بن عبید بھی کہلایا۔ عبید اللہ کی دادی سمیہ کسکر کے ایک زمیندار زندہ لعز کی کنیز تھی۔ زمیندار بیمار ہوا۔ عرب کے طبیب حارث بن کلدہ ثقفی نے اُس کا علاج کیا، انعام میں سمیہ ملی حارث سے دو بچے پیدا ہوئے ابوبکرہ و نافع۔ پھر حارث نے سمیہ کی شادی غلام عبید سے کر دی جس سے زیاد پیدا ہوا۔ عہد جاہلیت میں ابوسفیان طائف گئے تھے۔ مریم بن سلول شراب فروش سے اُس نے عورت کی خواہش کی، سمیہ بلائی گئی۔ حاملہ ہوئی سُرہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

في غير حصن (ارشاد مفيد حضن) وعلى غير ماء، وقد امرت
رسولي ان يلزمك ولا يفارقك حتى ياتيني بانفاذك امري والسلام
(۱۳) قال فلما قرء الكتاب قال لهم الحر: هذا كتاب الامير
عبيد الله بن زياد يامرني فيه ان اجعجع بكم في المكان الذي
ياتيني فيه كتابه وهذا رسوله. وقد امره ان لا يفارقني حتى
انفذ رايه، وامره، فنظر الى رسول عبيد الله ابن زياد
يزيد بن زياد بن المهاصر ابو الشعثاء الكندي ثم النهدي.
فعن له فقال. امالك بن النسر البدي؟ قال نعم. وكان احد
كندة. فقال له يزيد بن زياد ثكلتك امك ماذا جئت فيه
قال وما جئت فيه اطعت امامي. ووفيت ببيعتي. فقال له
ابو الشعثاء عصيت ربك واطعت امامك في هلاك نفسك.

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) میں زیاد پیدا ہوا اور زیاد بن عبید کہلایا۔ امیر معویہ نے ۴۴ھ
میں زیاد کی چالاکیاں دیکھ کر اپنے نسب سے ملحق کر لیا اُس نے معویہ کی بڑی مدد کی ۵۳ھ
میں مر گیا اُس کی اولاد میں مرجانہ عورت سے عبید اللہ و عبد اللہ تھے یزید نے عبید اللہ کو
کوفہ و بصرہ کا گورنر بنایا۔ مختار نے اُسے ۶۷ھ میں قتل کیا۔ آل زیاد پر ہماری مفصل کتاب ہے
ھ علمائے ادب و تاریخ نے اس لفظ کو خاص اہمیت کے ساتھ نقل کیا ہے زمخشری
متوفی ۵۳۸ھ نے الفائق فی غریب اللغۃ میں ابن اثیر متوفی ۶۰۶ھ نے النہایۃ فی غریب
الحدیث میں لفظ جعجع بالحسین کے سلسلہ میں اس لفظ کا ذکر کیا ہے۔ جعجاع کے معنی ہیں سخت اور
درشت جگہ، یعنی حضرت کو گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا کرو۔ ع یزید بن زیاد بن مہاصر ابو شعثا
کندی بہدلی شہدائے کربلا میں سے ہیں، مہاصر ان کے دادا ہیں۔ بعض کتابوں میں مہاجر
ہے لیکن یہ کتابت کی غلطی ہے۔

کسبت العار والنار - قال الله عزوجل - وجعلناهم ائمة یدعون الی النار
ویوم القیامة لاینصرون رپ۲۸ قصص) فهو امامک - قال واخذ الحر
بن یزید القوم بالنزول فی ذلک المکان علی غیر ماء ولا فی قریة
فقالوا دعنا ننزل فی هذه القریة - یعنون نینوی او هذه القریة
یعنون الغاضریة عه وهذه الاخری یعنون شفیة (ارشاد مفید)
فقال له الحسین دعنا ویحک ننزل فی هذه القریة - وهذه
نینوی والغاضریة - او هذه - یعنی شفیة)

(۴) فقال لا والله ما استطیع ذلک هذا رجل قد بعث
الیّ عیناً فقال له زهیر بن القین یابن رسول الله ان قتال هؤلاء اهون
من قتال من یاتینا من بعدهم (اختلاف سیر لعبارة الارشاد للمفید)
فلعمری لیاتینا من بعد من تری مالا قبل لنا به - فقال له
الحسین ما کنت لابدءهم بالقتال -

(۵) فقال له زهیر بن القین سر بنا الی هذه القریة حتی ننزلها -
فانها حصینة وهی علی شاطی الفرات - فان منعونا قاتلناهم فقتالهم
اهون علینا من قتال من یجئ من بعدهم - فقال له الحسین
وایة قریة هی - قال هی العقر - فقال الحسین اللهم انی اعوذ
بک من العقر (هذا العبارة لیست فی الارشاد) ثم نزل - وذلک
یوم الخمیس وهو الیوم الثانی من المحرم سنہ ۶۱ھ فلما کان من الغد
قدم علیهم عمر وبن سعد بن ابی وقاص من الکوفة فی اربعة

عه بکسر نون اول وسکون یاء وفتح ن ثانی واو کربلا کے قریب ایک قریہ تھا۔ عه قبیلہ اسد
بنی غاضرہ کی طرف منسوب ہے۔ سه کربلا کے نزدیک قریہ ہے۔ والصادمن ذکرها فی المعجم

الاث فی الارشاد۔ فارس) قال وکان سبب خروج ابن سعد الی الحسینؑ علیه السلام ان عبید الله بن زیاد بعثه علی اربعة الاف من اهل الکوفة بسیر بهم الی دستبی - وکانت الدیلم قد خرجوا الیها وغلبوا علیها - فکتب الیه - ابن زیاد عهده علی "الری" وامره بالخروج۔ فخرج معسکرا بالناس "بحمام اعین" فلما کان من امر الحسینؑ ما کان واقبل الی الکوفة دعا ابن زیاد عمر بن سعد فقال سر الی الحسینؑ - فاذا فرغنا مما بیننا وبینه سرت الی عملك فقال له عمر بن سعد ان رأیت رحمك الله ان تعفینی فافعلُ. فقال له عبید الله نعم علی ان تردّ لنا عهدنا قال فلما قال له ذلك قال عمر بن سعد - امهلنی الیوم حتی انظر - قال فانصرف عمر ستیشر نصحائه فلم یکن یستشیر احدًا الّا نهاهُ - قال وجاء حمزة بن المغیرة - بن شعبة - وهو ابن اخته - فقال انشدك الله یا خال - ان تسیر الی الحسین فتاثم بربك و تقطع رحمك فوالله لان تخرج من دنیاك ومالك وسلطان الارض کلها. لکان لك خیرٌ من ان تلقی الله بدم الحسینؑ - فقال له عمر بن سعد - فانی افعل انشاء الله -

(۱۵) قال ابو مخنف حدثنی عبد الرحمن بن جندب عن عقبة بن سمعان، قال صحبتُ حسینًا فخرجتُ معه من المدینة الی مکة - ومن مکة الی العراق - ولما فارقه

عه طبری ۲۲۰/۶ و ۲۳۲ و ۲۳۳ مطبوعهٔ مصر

عه طبری ۲۳۰/۶ مطبوعه مصر، مطبوعه لیدن ۳۱۲

حتی قُتِلَ - ولیس من مخاطبته الناس کلمۃ بالمدینۃ ولا بمکۃ ولا فی الطریق ولا بالعراق - ولا فی عسکرالی یوم مقتلہ الا وقد سمعتُها، لا واللہ مَا اعطاھم ما یتذاکرالنّاسُ وما یزعمون من ان یضع یدہٗ فی ید یزید بن معویۃ - ولا ان یسیّرۃ الی ثغرمن ثغورالمسلمین - ولکنہ قال دعونی فلاذھب فی ھذہ الارض العریضۃ حتی ننظرما یصیرامرالناس عسہ

مقتل عقبہ وغیرہ معروف ترین علماء عراق کی تقریظیں

محقق ملت جعفری حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت آغائے بزرگ طہرانی و حجۃ الاسلام محمد جواد طباطبائی تبریزی و مفکر عراق علامہ عبدالرزاق موسوی مقرم حفظہم اللہ کی تقریظین

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا رسول اللہ وعلی الہ المعصومین الباذلین مھجھم لحفظ دین اللہ ا وبعد - فان شھادۃ الحسین علیہ السلام یوم الطف وتضحیۃ الہٖ واصحابہ وسبی اطفالہ وعیالاتہ وقعۃٌ تاریخیۃٌ الیمۃٌ لا یزال صداھا یرنّ فی العالم الاسلامی ولم یبرح ذکرھا یصدع الافئدۃ ویغشی الانظار ویھیمن علی النفوس، والدعوۃ الاسلامیۃ المثل الاعلیٰ لرجال الاصلاح واولی الفکر وقادۃ النظر ولابدّ لکل

من درس تلك الواقعة المؤلمة من جهتها النفسية من الاعتراف بانها صدق المظاهر الدينية وامريها لحفظ النواميس الشرعية ولقد سوّدت تلك الواقعة صحائف لتاريخ و لا سيّما الأسفار والطوامير بالذكريات الشجيّة والاعمال الفظيعة التي قام بها اعداءُ رسوله ((وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون))

ولقد اعطى العلماء والمولفون والشعراء والكتاب من الشيعة وغيرهم بل من المسلمين وغيرهم هذه الواقعة المشجية حقّها من التاريخ ومثّلوها اعظم تمثيل واحسنه ، وابانوا عظمتها والفرق الواضح بينها وبين سائر الوقائع التاريخية .

وممن كتب فى ذلك حضرة العلامة الكبير المتتبع المتضلّع الشهير المجتهد البارع . والمفكر العبقرى الفذ ثقة الاسلام معتمد الخاص والعام السيد مجتبى حسن الكامون بورى الهندى دامت افاداته فقد كتب كتابه هذا فى الحسين عليه السلام بطرز اجتماعي ونمط فلسفى ، فتراه يعلّل الوقائع ويحلّلها تحليلا تاريخيا فلسفيا مألوفا لدى الجميع وذلك لان مولفه العلامة من اجلّاء اهل العلم والفضل والادب وسعة الاطلاع والاحاطة بسائر العلوم

الشرقية واللغات الاجنبية - وله مولفات عديدة و
آثارنا فقه مفيدة ذكان نيشر الكثير من الفوائد التى
تجيد بها قريحة السليمة وذهنه الوقاد يوم كان فى طريقه
الى تحصيل شهادة اسكتوراه فى التاريخ والفلسفة
من جامع الازهر الشريف - وانا نحيى السيد الجليل
على علو همته ونشكر على جهاده فى سبيل العلم والادب
ونبتهل الى الحق تعالى شانه ان يزيد فى تاييده وتوفيقه
(واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين)
حررة ببنانى وانا الفقير الفانى المدعو باغا بزرگ
الطهرانى. غفر له ولوالديه فى يوم الاحد الثالث
والعشرين من ذى الحجه سنه احدى وسبعين
وثلثماة والف هجرية على مهاجرها الاف
السلام والتحيه

مهر شريف

(٢) فيما كتبه الشيخ الجليل الثقه العلامة الحجه
الشيخ اقا بزرگ دام تائيده مقرظا لتاليف حضرة
العلامة الفذ السيد مجتبى حسن الكامون پورى الهندى
الذى الفه حول واقعة الطف ونهضته شهيد العظمة
غنى وكفاية عن كل ثناء واطراء - وانا اسال الله ان
يديم تائيده وتوفيقه ويكثر من امثاله ممن له قدم
راسخ فى خدمة الدين وترويج الشرع الشريف
محمد واله وانا الاحقر الفانى محمد جواد الطباطبائى التبريزى

مهر شريف

(٣) لقد ابدع شيخنا الحجة المحقق الشيخ آغابزرگ
فى الثناء على تاليف العلامة المتتبع المتقين السيد مجتبى
حسن الكامونپورى الهندى فى نهضة شهيد العظمة و
الاباء. وقد سد طريق الاطراء بما افاد واجاد -
فكان فيه غنى عن تقريض الواصفين. فالى المهيمن
سجاد نبتهل تتابع النظرة الرحيمة لحضرة السيد
المولف بكلّ ما يؤيده الدعوة الاحمدية انه بعباده
لطيف.

حرره فى ٩ صفر ١٣٧٢ه الاقل عبد الرزاق الموسوى
المقرم النجفى

مقتلِ عقبہ بن سمعان علامہ کامون پوری کی روشنی میں

شہادتِ امام حسینؑ کا مقصد

(از جناب شہید احسن صاحب شہید صفی پوری ایم اے)

ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، تنویرِ آفتاب کی ہر کرن، غرض کہ کائنات کے ہر ذرہ کی ہر حرکت ایک منظم اور وسیع قانون کا پتہ دیتی ہے۔ ایک ظاہر بیں اور پست نظر انسان کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ ہوا کی معمولی سی جنبش کے وقوع میں آنے کے لئے کرۂ ہوائی میں ایک خاص قانون کے ماتحت حالات وماحول اور تقاضائے وقت کی تبدیلی کی بناء پر کتنا عظیم الشان تغیر پیدا ہوا جس کا مظاہرہ ہوا کے ایک معمولی جھونکے کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور جب تک انسان قوانینِ فطرت کے دقائق پر اتنا حاوی نہ ہو کہ وہ آثار و قرائن کی بناء پر اُن نازک اور دقیق مسائل کو سمجھ لے جن کا ہوا کے تموّج سے تعلق ہے اس وقت تک کیسے ممکن ہے کہ ہوا کی اس معمولی سی جنبش کے متعلق یہ فیصلہ کیا جائے کہ یہ ہوا کی معمولی حرکت ہے یا کسی آنے والے عظیم الشان اور غیر معمولی طوفان کا پیش خیمہ! اور یہ نظام کائنات میں اس ہوا کے جھونکے کا کیا مرتبہ ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو ترتیبِ نظامِ حکمت میں کتنا بڑا خسارہ ہو جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں کسی بڑے نتیجہ کے ظہور میں آنے کے لئے ضروری ہے کہ تدریجی طور پر اُس کے لئے

لئے اسباب مہیا ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سلسلہ اسباب کی کوئی کڑی بھی بے ضرورت یا نتیجہ ہوتی ہے۔ اگر نگاہِ حقیقت شناس سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ہر درمیانی کڑی کے بغیر تکمیل ناممکن ہے اور ہر سبب پچھلے اسباب کا نتیجہ ہے۔

انسان کا مقصدِ حیات بھی ایک نتیجہ ہے جسے اسی عالمِ اسباب میں حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ مقصد جتنا عظیم ہوگا اُسی قدر اُس کے حصول میں تدریجی اسباب کی منزلیں زیادہ طے کرنا پڑیں گی۔ پھر اگر قوانینِ فطرت کے پیشِ نظر تمام منازل کو طے کر لیا گیا تو خیر اور اگر لغزش ہوگئی تو اُس لغزش کا ردِ عمل شروع ہو جاتا ہے جو اسباب ارتقاء کی فراہمی کی رفتار کو نہ صرف کم کر دیتا ہے بلکہ وقتی طور پر تعطل پیدا کر دیتا ہے اور اُس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک تدریجی طور پر اس لغزش کے اثرات ختم نہ ہو جائیں۔

مقصد کی عظمت کیا شے ہے؟ ممکن ہے کوئی کہے کہ دولت و حکومت و اقتدار یا دنیوی مسرتوں کو حاصل کرنا ایک عظیم مقصد ہے جسے ہر اولوالعزم انسان اپنا نصب العین حیات بناتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان تمام مقاصد میں انسان کا حد سے بڑھا ہوا جذبۂ خودکامی و نفس پرستی نظر آئے گا۔ بے "عظیم" نہیں کہا جا سکتا۔ بے شک ایسے انسان پر اُس شخص کو ترجیح حاصل ہے جو اپنے ملک اور اپنی قوم کی دولت مندی آزادی اور مسرت پر ذاتی مفاد کو قربان کر دے۔ اس نقطۂ نظر کے ماتحت عظیم ترین مقصد وہی ہو سکتا ہے جو علم و تمدن کا سرمایۂ مراد ہے یعنی تمام نوعِ انسانی کی خوشحالی، مسرت اور آزادی کا حصول

اگر اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کوئی اپنی ذات اور تمام لوازم ذات کو قربان کر دینا نصب العین حیات بنائے تو اُس سے بڑھ کر عظیم الشان مقصد تصور میں بھی نہیں آسکتا۔

تاریخ انسانیت گواہ ہے کہ اپنی ذات اور اپنی ذات سے وابستہ تمام چیزوں کو یعنی اپنی دولت، اپنی اولاد، اپنی مسرت اور تمام احساسات و جذبات کو مقصدِ حیات کے حصول کی خاطر جس طرح حسینؑ نے وقف کر کے عملی مثال قائم کی اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ ضمیر انسانیت اور مذاقِ راستی گواہ ہے کہ نوعِ انسانی کا مفاد حسینؑ نے جن اُصولوں کے تحفظ میں پایا وہ متمدن انسان کا نقطۂ معراج ہیں

حسین علیہ السلام

نے اپنا مال نثار کر کے بتایا کہ مال و دولت انسان کی کمترین دولت ہے۔ جسے راستی اور سکون ضمیر کی خاطر قربان کر دینا چاہیئے، حسینؑ نے جان دے کر دنیا پر موت اور زندگی کی حقیقت ظاہر کی اور بتایا کہ کس طرح زندگی اور موت دونوں سے یکساں فائدہ اٹھا کر اعلیٰ اصولوں کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ اور جب مر کر اپنا مقصد حاصل کیا جائے۔ تو موت زندگی کی قائم مقام بن جاتی ہے جسے حیاتِ ابدی کہتے ہیں۔ حسینؑ نے اعزا و اقارب کی قربانی دے کر سبق دیا کہ نوع کے مفاد کی خاطر اپنے اعزاء کا خیال کرنا پست نظری ہے، حسینؑ نے حکومتِ جور کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے انسان کی ذہنیت کو مذاقِ آزادی عطا کیا۔ حسینؑ نے اپنی مسرتوں کو قربان کر کے بتایا کہ حقیقی مسرت وہ سکون ہے جو ادائے فرض کے بعد انسانی ضمیر محسوس کرتا ہے اور جس پر دنیا کی ہر ناپائدار مسرت کو قربان کر دینا چاہیئے۔ حسینؑ نے اپنے تمام سرمایۂ حیات کو مقصدِ زندگی کی خاطر وقف کر کے دکھا دیا کہ ایک

فرض شناس انسان کس طرح ادائے فرض کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔
کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تقریر کرتے وقت نہایت پُر زور الفاظ میں حسینی کارنامہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ نظم و نثر میں بہت پُرشوکت الفاظ صرف کئے جا سکتے ہیں پھر بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ ہم حقیقت کی صحیح تصویر کشی نہیں کر سکے۔ پھر جب لفظی تشریح اس وقت اتنی مشکل ہے جب کہ واقعہ وقوع میں آ چکا ہے۔ تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُس کارنامہ کی عملی تصویر کھینچنا اُس وقت کتنا مشکل تھا۔ جب کوئی نقشِ اول بھی رہنمائی کے لئے ایسا موجود نہ تھا۔ جس کی پیروی کی جا سکتی اس کا تصور بھی مشکل کیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلی دقت ہر ایک ایسے انسان کے سامنے درپیش ہو گی جسے تمام نوع کی بھلائی مقصود ہے یہ ہو گی۔ کہ تمام انسانوں کو کس طرح فائدہ پہنچایا جائے۔ لیکن جب یہ سوال سامنے آیا کہ فائدہ کس طرح پہنچایا جائے تو قبل اس کے کہ طریق کار پر غور کیا جائے ضروری ہے کہ "فائدہ" کی تشریح کی جائے اگر اس کا مفہوم معین ہو سکے۔ اگر فائدہ کا یہ مفہوم ہو کہ ہر ہر فرد کے مقاصد پورے ہوں تو یہ قطعاً ناممکن ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی خواہشیں لامحدود ہیں۔ اور پھر خواہشوں میں تضاد بھی ہے۔ مجبوراً تمام نوع کے مجموعی مفاد پر غور کرنا پڑے گا۔ جس کے نتیجہ میں ہر انسان کی محدود اعتدال سے بڑھی ہوئی تمناؤں ناروا آرزوؤں، غیر متوازن حوصلہ مندیوں غیر معتدل اولوالعزمیوں اور ناقابل حصول مسرتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور محض ممکن العمل لائحہ عمل مرتب کیا جا سکے گا۔ اب اس کے بعد دوسرا سوال یہ پیدا ہو گا۔ کہ طریق عمل کیا اختیار کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک

انسان کسی طرح اس قابل ہو بھی سکے کہ دنیا کی تمام دولت سب انسان میں برابر
برابر تقسیم کر دے، اُن فرائض کی پابندیوں کے ساتھ جن کی بناء پر حقوق پیدا ہوتے
ہیں سب کو آزادی دے دے اور اُن محدود مسرتوں میں سب کو برابر کا شریک بنا دے
جن کا اس دار الانقلاب میں امکان ہے تب بھی ہرگز ہرگز ہر انسان خوش اور
مطمئن نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اس طرح ہر ایک کے حصہ میں ہر
چیز بہت تھوڑی آئے گی۔ اور ہر شے کا مناسب عوض دینا پڑے گا۔ یعنی دولت
تھوڑی ملے گی۔ اور کام تقریباً اُتنا ہی کرنا پڑے گا۔ جتنا اب کرنا
پڑتا ہے۔ آزادی کی وجہ سے جہاں بہت سے حقوق حاصل ہوں گے
وہاں ایک فرض شناس شہری کی حیثیت سے قانون کی ناخوشگوار پابندیاں
بھی برداشت کرنا پڑیں گی اور مسرتیں بھی بس اُتنی ہی حاصل ہو سکیں گی جتنی
اس دار المحن میں حاصل ہو سکتی ہیں۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ موجودہ غیر متوازن
نظام میں تو شاید کچھ لوگ بظاہر مسرور نظر بھی آتے ہوں لیکن اُس وقت بہت
کم افراد ایسے ہیں گے۔ جو اس عادلانہ نظام سے مطمئن ہوں۔ معلوم ہوا کہ جس شخص
کو تمام نوعِ انسانی کی مسرت، آزادی، خوشحالی اور بہبودی کی فکر ہو اُس کے
لئے ضروری ہے کہ وہ انسان کو ان تمام خوشنوا خوابوں کی تعبیر بتلائے جو
یقیناً اُتنی خوشنما نہیں ہے جتنی لوگوں کو تخیل اور تصور کے آئینہ میں نظر آتی
ہے۔ اُس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اُس عالم و سرشت میں انقلاب پیدا کرے
جس نے حقیقی آزادی اور سچی خوشحالی کو پردۂ دنیا سے نیست و نابود کر
دیا ہے اور یہی وہ کام تھا جو حسینؑ نے انجام دیا۔ اگرچہ دنیا کی مصیبتیں لوگوں
کی حسینؑ ناشناسی اور بے عملی کی بناء پر ختم نہیں ہوئیں لیکن ماننا پڑے گا
کہ حسینؑ محسنِ انسانیت ہیں۔

اس عظیم الشان مقصد کو پورا کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا جسین کے مقصد کی عظمت کو دیکھیے اور اس کے حصول کے طریق کار کی پیچیدگی اور دقتوں پر نظر ڈالیے۔ سنہ ۶۱ھ کا ماحول وہ تھا جب کہ خیر اسلامی ذہنیت پرسوم پارینہ و اخلاقِ دیرینہ کے توہمات حاوی ہوگئے تھے۔ جب چہرۂ نفاق سے اسلام کی نقاب اس قدر اٹھ گئی تھی کہ حدودِ نفاق و کفر میں امتیاز دشوار ہو جاتا ہے۔ جب مزاجِ عدالت پر سیاستِ ظلم غالب آچکی تھی۔ جب حقوقِ آزادی کا پابند حکومت جور اور اخلاق و عقائد کا تابع اعمال اہلِ فسق ہوتا داخلِ عقیدہ قرار دے دیا گیا تھا۔ پھر یہ بھی نہیں کہ عوام آزادی کے خواہش مند ہوں بلکہ حیوانیت کو انسانیت اور خودساختہ اصولوں کو اسلام کہا جارہا تھا۔ اور لوگ مطمئن تھے۔ اسلام دشمنی اور اہل بیت رسول سے عداوت عوام کا مذہب بن گئی تھی۔ حالت یہ تھی کہ "جب امام حسینؑ مکہ سے نکلے تو مکہ کے گورنر عمرو بن سعد کے آدمیوں نے جو یحییٰ بن سعید کی سرکردگی میں تھے حضرت کو روکا۔ ان لوگوں نے امام سے کہا کہ واپس جائیے آپ کدھر جارہے ہیں۔ مگر حضرت نے واپسی سے انکار فرمایا اور سفر کو جاری رکھا چنانچہ دونوں جماعتوں میں مقابلہ ہوا اور دونوں طرف سے کوڑے استعمال ہوئے لیکن امام اور ان کے ساتھی اپنے مقصد کے مطابق سفر کو جاری رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اُس وقت گورنر کے آدمیوں نے پکار کر کہا۔ (معاذ اللہ) آپ خدا سے نہیں ڈرتے جماعت سے نکلتے ہیں اور اس امت میں افتراق اور اختلاف ڈالتے ہیں۔ (مقتل عقبہ بن سمعان صہ ۳۲)

اور جب مالک بن نسر بدی ابن زیاد کا خط لے کر حرؑ کے پاس آیا تو "یزید بن زیاد بن مہاصر ابوالشعثا کے کندی نے ابن زیاد کے قاصد

کو دیکھ کر پہچانا اور کہا تم مالک بن نسر بدی ہو۔ اُس نے اقرار کیا اور وہ بھی قبیلۂ کندہ سے تھا۔ یزید بن زیاد نے کہا۔ خدا تمہیں غارت کرے تم کاہے کے لئے آئے ہو اُس نے کہا۔ کاہے کے لئے آیا ہوں میں نے اپنے امام کی اطاعت کی ہے اور اپنی بیعت کو پورا کیا ہے۔ ابوالشعثاء نے کہا" تم نے اپنے خدا کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کی جس سے اپنے آپ کو ہمیشہ کی ہلاکت میں مبتلا کیا۔ اور ننگ و عذاب کو اپنے لئے حاصل کیا۔ (قرآن میں ہے) کچھ ایسے بھی امام ہیں جو جہنم کی آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (قصص ۴۱) (منقول عقبہ بن سمعان)

اُس وقت امام حسین کو اتنے دشمنوں سے مقابلہ کرنا تھا:۔

(۱) حکومت کا تشدد۔

(۲) حکومت کی دولت کی قوت۔

(۳) عوام کی طاقت

(۴) عوام کے عقائد۔

عام حالات میں بھی جب یہ تمام دقتیں درپیش نہ ہوں ایک ایسے عظیم الشان مقصد کا حصول جس کا تمام نوعِ انسانی کی بہبود سے تعلق ہو دشوار ہے نہ کہ اُس حالت میں جب ماحول اتنا مخالف اور ناسازگار ہو۔ دنیا ایک بحرِ ناپیداکنار کی طرح ہے جس کی وسعت کو زمانہ کی لامحدود وسعتوں نے اور بھی بڑھا دیا ہے۔ اس میں ایک انسان خواہ اس کا اقتدار کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو کیا چاہیے اُس کے عزائم کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں ایک قطرہ کی نسبت رکھتا ہے۔ معلوم نہیں کتنے مظلوم شہید ظلم ہو جاتے ہیں اور کسی کو خبر نہیں ہوئی کہ کیا ہوا۔ معلوم

نہیں کتنے ذی علم، باکمال اور دانا انسان فنا ہو جاتے ہیں اور انہیں کوئی جانتا بھی نہیں ہے کہ اُن کے خیالات کیا تھے اور اگر معلوم بھی ہوتا ہے تو اس کے اثرات بہت محدود ہوتے ہیں جو رفتہ رفتہ استدادِ زمانہ سے فنا ہو جاتے ہیں پھر حسینؑ کو ظاہری اقتدار ہی کون سا حاصل تھا۔ رسولؐ کے اقتدار کے بعد دنیا جانتی ہے کہ اہل بیت اور حضرت علیؑ کا اثر ختم ہو گیا۔ لیکن پھر بھی بہرحال اُن کی زندگی میں اقتدار کے آثار باقی تھے۔ لیکن اُن کے بعد امام حسنؑ کے عہد میں اس اثر میں بھی کمی ہو گئی جس کا نتیجہ آخر میں یہ ہوا۔ کہ امام حسنؑ کا ساتھ سب نے چھوڑ دیا اور امام حسن کے بعد امام حسینؑ کے عہد میں خاندانِ رسول کی جتنی عظمت باعتبار ثروت و اقتدار رہ گئی وہ ظاہر ہے حدیث ہے کہ "مالک بن نسر بدی جب ابن زیاد کا خط لے کر حر کے پاس آیا تو اُس نے حر اور اُس کے ساتھیوں کو سلام کیا اور حسینؑ اور اُن کے اصحاب کو سلام نہیں کیا" (مقتل عقبہ بن سمعان ص۲۵)

صحیح حالات کا اندازہ لگانا نہایت دشوار ہے لیکن تاریخ جس حد تک حالات پر روشنی ڈالتی ہے اس سے دو نتیجے نکلتے ہیں:۔

(۱) امام حسینؑ سے زمانہ مخالف تھا۔ حضرت رسالت مآبؐ کے دور ہی میں اسلام کے خلاف فطری طور پر ردِ عمل شروع ہوا لیکن عہدِ رسولؐ میں اس تحریک کو پنپنے کا موقع نہیں ملا اور بعد۔ دل اس تحریک کو تقویت پہنچی یہاں تک کہ امام حسینؑ کے دور تک دشمنانِ رسول و آلِ رسول کی شام میں نہایت مضبوط حکومت قائم ہو گئی یہ حکومت رسول اور آلِ رسول کے مذہبی اقتدار کو فنا کر دینا چاہتی تھی۔ چونکہ رسول کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ بغاوت تقاضائے سیاست غیر مناسب تھا۔ اس لئے وہ یہ چاہتے تھے۔ کہ رسولؐ کے بعد اُن کا صحیح وارث اپنے آپ کو بتا کر مسلمانوں کو اہل بیت سے اجنبی بنا دیا جائے۔

اور اسی کے ساتھ رفتہ رفتہ رسول کے بتائے ہوئے اصولوں کو توڑ مروڑ کر اپنے مفاد کے پیش نظر لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ اس طرح گویا اسلام کے خلاف ایک مذہبی ڈھانچہ تیار کیا جا رہا تھا۔ جسے اسلام ہی کے نام سے مشہور کر کے در پردہ تعلیمات رسولؐ کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی تھی حکومت نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے خزانہ کا منہ کھول دیا۔ امیر شام معاویہ کے عہد ہی سے عوام کی ذہنیت اور بیداری کو دولت دے کر خریدنا شروع کر دیا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مخالفین پر قتل و آزمائی بھی ہوتی رہی خفیہ حربے بھی دل کھول کر استعمال کئے گئے۔ زہر خورانی کی بے شمار وارداتیں ہوئیں جن میں حکومت کی سازش کارفرما تھی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلامی کا جذبہ انسانیت سرد ہو گیا یہاں تک کہ سب نے یزید کے ایسے فاسق اور کھلم کھلا شریعت اسلامی کے دشمن انسان کی بیعت قبول کر لی۔ صرف گنے ہوئے چار آدمی ایسے نظر آتے ہیں جنھوں نے بیعت سے انکار کیا۔ کربلا میں امام حسین سے جو فوج لڑنے آئی تھی وہ کم از کم ۳۰ ہزار افراد پر مشتمل تھی (منقل عقبہ بن سمعان ص۳) اسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بہت بڑی اکثریت اہل اقتدار کے ساتھ تھی۔ اس مخالفت و عداوت سے امام کے حصول مقصد میں دشواریوں پر روشنی پڑتی ہے۔

(۲) لیکن دوسرا پہلو بھی نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ امام حسینؑ کی شخصیت بالکل معمولی اور بے اثر ہو اور اُن کا کوئی وقار باقی ہی نہ رہ گیا ہو۔ امام حسینؑ کی شخصیت اتنی بلند تھی۔ اور کردار اتنا اونچا تھا کہ عوام اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ اور عوام تو عوام خود یزید حسینؑ کو اپنے اقتدار کی راہ میں روڑا سمجھ رہا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے

کہ یہ حسینؑ کی شخصیت سے مرعوبیت کا احساس ہی تھا۔ جس نے یزید کو بیعت لینے پر آمادہ کر دیا۔ خواہ امام حسینؑ کی بلند ظرف نگاہ حصولِ اقتدار کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتی لیکن اُن چھوٹی طبیعت کے پست انسانوں کو کیونکر خطرہ نہ محسوس کرتا اس لیے کہ یہ ہستیاں وہ تھیں جن کے دشمن بھی ان کے مزاج فطرت سے واقف تھے۔ لیکن یزید کا خلیفۂ رسول بن کر اسلامی اصولوں کو مٹانا وہ اصول جن کی تبلیغ امام حسینؑ کی زندگی کا عظیم الشان مقصد تھا۔ کبھی برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یزید جانتا تھا کہ امام حسینؑ کی زندگی کا وجود ہی بقائے اسلام کا ضامن ہے۔ اور امام حسینؑ کا بیعت سے انکار کر دینا ہی اُس کے اقتدار مذہبی کو فنا کر دینے کے لیے کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تخت نشین ہوتے ہی اُس نے ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ حسینؑ سے بیعت طلب کرو اور اگر وہ راضی نہ ہوں تو اُن کا سر کاٹ لو۔

امام حسینؑ کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ انہیں بالکل بے کس اور مجبور فرض کر لیا جائے۔ اگر امام حسینؑ بحالتِ مجبوری شہید کر دیئے جاتے تو اُن کے عزم و ارادہ کی کوئی تعریف نہ کی جاتی لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اگر وہ چاہتے تو دنیوی اقتدار حاصل کر سکتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عبد اللہ ابن زبیر نے مکہ میں حکومت قائم کر لی پھر کیا امام حسین ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ عقبہ بن سمعان کا بیان ہے ''جب حضرت مکہ آئے۔ اہلِ مکہ آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ جن میں عمرہ بجا لانے والے بھی شامل تھے۔ اور ہر طرف کے لوگوں نے بھی آنا شروع کیا۔ ابن زبیر کعبہ میں دن بھر نماز اور طواف میں گزارتے تھے۔ مگر امام حسینؑ کے پاس دو دن تک متواتر آیا ایک

دن ناغہ کر کے آتے تھے اور اُنہیں مشورہ دیتے تھے۔ حالانکہ امام کی موجودگی ابن زبیر پر نہایت شاق تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک امام مکہ میں ہیں میری بیعت کوئی نہیں کرے گا۔ اور نہ کوئی شخص اطاعت کرے گا۔ اور سب کی نگاہ میں میری نسبت امام کی عظمت زیادہ ہے اور لوگ میری نسبت امام کی بیعت کی زیادہ خواہش مند ہیں" (مقتل عقبہ بن سمعان ص۳۲)

"ابن عباس کے بعد ابن زبیر حضرت کے پاس آئے کچھ دیر باتیں کیں۔ اور کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے بنی امیہ سے کیوں چشم پوشی کر رکھی ہے حالانکہ ہم لوگ مہاجرین کی اولاد میں سے ہیں اور اسلام کے حاکم ہیں بنی امیہ کو حکومت کا حق کب ہے۔ فرمائیے کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ امام نے فرمایا بخدا میرا دل کوفہ جانے کو کہتا ہے۔ میرے دوستوں اور کوفہ کے اشراف نے مجھے خط لکھے ہیں۔ میں اس امر میں خدا سے استخارہ بھی کروں گا۔ ابن زبیر نے کہا اگر کوفہ میں میرے احباب ایسے ہوتے جیسے آپ کے ہیں تو میں اس سے منہ نہ موڑتا۔ پھر ابن زبیر کو اندیشہ ہوا کہ اس رائے میں امام اُن پر خود غرضی کا الزام لگائیں گے۔ اس لیئے فوراً ہی کہا کہ اگر آپ حجاز میں رہنا چاہیں اور یہاں رہ کر حکومت کرنا چاہیں تو انشاء اللہ آپ کی مخالفت نہ ہو گی۔ اس کے بعد ابن زبیر چلے گئے اور امام نے فرمایا کہ ابن زبیر کی دنیا میں سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں حجاز سے عراق چلا جاؤں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میری موجودگی میں اُن کی کچھ نہ چلے گی۔ لوگ انہیں میرے برابر نہ سمجھیں گے۔ اس لیئے اُن کی خواہش یہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور یہ مقام اُن کے لیئے خالی ہو جائے" (مقتل عقبہ بن سمعان)

"پھر ابن عباس نے کہا۔ (امام سے) آپ حجاز کو خالی کر کے ابن زبیر

کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے۔ یعنی اپنے سفر سے اُن کو خوشی کا موقع دیں گے)
آج اُن پہ کوئی آپ کے مقابلہ میں نگاہ بھی نہیں ڈالتا۔ خدا کی قسم اگر مجھے
یقین ہوتا کہ میں آپ کو زنجیر روکوں اور آپ رُک جائیں گے۔ تو میں یہ کر گزرتا
پھر ابن عباس حضرت کے پاس سے چلے گئے۔ اور عبداللہ بن زبیر کی
طرف سے گزرے اور ابن زبیر سے کہا تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور
یہ کہہ کر یہ اشعار پڑھے (جن کا ترجمہ یہ ہے)

"اے چنڈول کیا کہنا ترا، فضا تیرے لیے خالی ہے رشوق سے
انڈے دے بچے نکال اور انڈے دینے کی جگہ کو خوب نرم و درست کرلے"

ان اشعار کے بعد عبداللہ ابن عباس نے ابن زبیر سے کہا: "حسینؑ
عراق کو جا رہے ہیں۔ تم اب حجاز میں قدم جماؤ۔" (مقتل عقبہ)

اس کے علاوہ ابن عباس نے جو مشورہ دیا تھا یقیناً اگر امام حسینؑ اُس پر
عمل کرتے تو خطرہ سے محفوظ بھی ہو جاتے۔ اور اقتدار بھی حاصل کر لیتے:۔

"ابن عباس نے امام حسینؑ سے کہا اگر آپ یہاں سے ضرور ہی جانا
چاہتے ہیں تو یمن جائیے وہاں قلعے اور گھاٹیاں اور بہت وسیع زمین ہے
وہاں آپ کے باپ کے ماننے والے بھی ہیں۔ آپ دشمن سے دور بھی رہیں گے
آپ وہاں سے لوگوں کو خط لکھئے آدمی بھیجئے اپنے داعی پھیلا دیجئے
میرا خیال ہے اس طرح آپ بعافیت مقصد حاصل کر لیں گے۔ امام
نے فرمایا۔ بخدا میں جانتا ہوں آپ میرے مخلص و شفیق ہیں۔ لیکن میں
نے کوفہ کا سفر طے کر لیا ہے۔" (مقتل عقبہ)

ابن عباس کے بیان کے صحیح اور پُرخلوص ہونے کی خود امام نے تصدیق
کی بلکہ آپ نے قسم کھا کر اس کی صحت کی توثیق کر دی۔ لہذا اس کے صحیح

ہونے میں ذرا بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔

اب ان دونوں نتیجوں کو سامنے رکھئے۔ ایک طرف ماحول کی سختیاں اور حسینؑ کا با اختیار ہونا اور اس کے بعد اُس عظیم الشان مقصد کو سامنے لائیے جس کا حصول امام حسینؑ نے اپنا مقصدِ حیات قرار دیا تھا۔ ایسے حالات میں ایک انسان اتنے طریقے اختیار کر سکتا تھا۔

(۱) ایک تو یہ کہ بیعت کر لی جاتی لیکن اس کے نتیجہ میں مقصدِ زندگی فوت ہو جاتا اور اسلام مٹ جاتا۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کیا جاتا یعنی امام حسینؑ حکومت قائم کر لیتے اس کے دو نتیجے بر آمد ہو سکتے تھے۔

(اُ) ایک تو یہ کہ امام حسینؑ کو آخر کار ابن زبیر کی طرح شکست ہو جاتی اور بحالتِ مجبوری وہی انجام ہوتا جو کربلا میں ہوا۔ ایسی صورت میں حسینؑ کی جنگ دنیوی اقتدار کے حصول کی خاطر دو بادشاہوں کی جنگ قرار دے دی جاتی اور کیونکہ یہ قرار دی جاتی جب کہ امام حسینؑ کے اس محتاط طرزِ عمل کے باوجود کربلا کی جنگ کو دو شاہزادوں کی جنگ کہہ دیا گیا خواہ امام حسینؑ خلوص کے ساتھ تبلیغ حق کی خاطر ہی حکومت و اقتدار کے خواہشمند ہوتے لیکن اسے کوئی ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام بھی مٹتا اور انجام بھی وہی ہوتا جو اب ہوا اور امام حسینؑ کو قیامت تک کے لئے شکست ہو جاتی۔

(ب) دوسری صورت یہ تھی کہ امام حسین جنگ میں غالب آتے۔ ایسی صورت میں ایک فرقہ پھر بھی منافقین کا باقی رہتا جس طرح عہد رسولؐ میں اسلامی فتوحات کے باوجود باقی رہا۔ اُن کی اصلیت کبھی قیامت

تک بے نقاب نہ ہو سکتی اور معلوم نہیں کتنے انسان اُن کے غلط مسائل کو اسلام سمجھ کر اختیار کرتے۔ پھر یہ بھی ناممکن تھا کہ امام حسینؑ یا امام حسینؑ کے قائلین کی حکومت ہمیشہ قائم رہتی۔ اقتدار حکومت بھی ایک مٹنے والی شے ہے جب اقتدار ختم ہو جاتا اُس وقت پھر مخالف جماعت کو اُبھرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ اس طرح ابتدا امامت تک اسلام کو "اختیار یزیدیوں" سے خطرہ رہتا اور نتیجۃً امام حسینؑ کا مقصد پورا نہ ہو سکتا۔

ان حالات میں جب تصحیح و حفاظت دونوں امام کے مقصد کے لئے حضرت امام حسینؑ نے ایک ایسا نیا طریق کار اختیار کیا جسے "تدبیر حقانیت" کہہ سکتے ہیں یعنی نہ باطل کے ساتھ صلح کر کے اس کے ساتھ اشتراک عمل کیا اور نہ جنگ کی۔ چونکہ بیعت کر لینے کی صورت میں مقصد کی فنا یقینی تھی اسی لئے امام حسینؑ نے یہ تو بالکل ہی طے کر لیا کہ بیعت ہرگز نہ کروں گا۔ لیکن بیعت نہ کرنے کے معنی اعلان جنگ نہ سمجھے جائیں اس کے لئے امام نے نہایت صلح کُن رویہ اختیار کیا اور کسی موقع پر بھی اس طرز عمل کے خلاف ظاہر نہیں ہوا۔ پہلے ولید سے گفتگو ہوئی تو امام نے کبھی بیعت سے انکار نہ کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ کیا تم تنہائی میں مجھ سے بیعت لینا پسند کرو گے۔ اُس نے کہا نہیں پھر امام نے کہا اچھا جب تم اور لوگوں کو مجمع میں بیعت کے لئے بلانا اُس وقت مجھے بھی بلا لینا۔ جب مروان نے ولید سے کہا کہ اگر حسین سے بیعت لینا ہے تو اسی وقت لے لے ورنہ پھر تو ان کی گرد قدم کو بھی نہ پا سکے گا۔ اور اگر بیعت نہ کریں تو اُن کا سر قلم کر دے۔ اس موقع پر جب بیعت کرنے یا نہ کرنے کے اعلان پر امام مجبور ہوئے تو آپ نے باآواز بلند فرمایا کہ تیری کیا مجال ہے کہ مجھے قتل کر سکے۔ آپ کی آواز

سُن کر آپ کے ہمراہی گھر میں داخل ہو گئے اور آپ وہاں سے چلے آئے ابتداء میں آپ کا سخت جواب نہ دینا اعلانِ صلح جوئی کی پہلی مثال ہے اس کے بعد ممکن تھا کہ آپ اپنے تحفظ کے بہانہ ہی جنگ کی تیاری شروع کر دیتے جس طرح آج کل تمام دنیا کے ممالک کرتے ہیں۔ اُس وقت بہت آسانی سے آپ حجاز میں حکومت قائم کر سکتے تھے۔ لیکن امام نے جنگ سے بچنے کے لئے مدینہ سے ہجرت کی اور ترکِ وطنی کی مصیبت کو قبول کر لیا۔ پھر سفر میں بھی کبھی آپ نے اعلانِ جنگ یا جارحانہ اقدام نہیں کیا حالانکہ بعض مواقع ایسے آ گئے تھے۔ جہاں زیادتی دشمن کی تھی لیکن امام حسینؑ نے صبر و تحمل سے کام لیا۔

حجت خالق کی اللہ ری نگاہ دور رس ساز گار حلم باری بن گیا جس کا جہادِ شہید۔

عقبہ بن سمعان نے دو مواقع ایسے بیان کئے ہیں۔ جہاں خود امام کے ایک صحابی نے امام کو جنگ کی ترغیب دی لیکن امام نے ایک موقع پر تو اصول کا اعلان کر دیا اور کہا کہ میں جنگ میں ابتدا نہیں کرنا چاہتا اور ایک موقع پہ جنگ کے نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک خاص ادبیت کے ساتھ فرمایا۔ "خداوندا میں عقربے نتیجہ ہونے سے پناہ مانگتا ہوں"۔

(۱) "زہیر بن قین نے کہا "فرزندِ رسول! ان لوگوں سے جنگ کرنا ہمارے لئے آسان ہے۔ بہ نسبت اُن سے جنگ کے جو ان کے بعد آئیں گے یقیناً اس کے بعد اتنی فوجیں آئیں گی جن کے مقابلہ کی ہم کو طاقت نہ ہو گی۔ امام حسینؑ نے فرمایا میں ان سے جنگ میں ابتداء نہیں کرنا چاہتا"۔

(۴) "پھر زہیر بن قین نے کہا کہ چلیے اس قریہ میں قیام کریں یہ محفوظ بھی ہے اور فرات کنارے بھی ہے - اگر یہ ہم کو روکیں تو ہم ان سے مقابلہ کریں۔ ان سے مقابلہ بہرحال بعد والوں کے مقابلہ سے آسان ہو گا۔ امام نے فرمایا وہ گاؤں کون سا ہے جواب ملا "عقر" حضرت نے فرمایا خداوندا میں عقر بے نتیجہ ہونے) سے پناہ مانگتا ہوں - پھر حضرت نے وہیں قیام کیا۔"

عقبہ بن سمعان کے دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عقر میں قیام کے لئے زہیر (صفحہ ۲) بن قین نے اس لئے مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ لب فرات ہے اور محفوظ ہے - ظاہر ہے کہ اپنی آسائش اور اپنے تحفظ کے لئے اقدام کسی طرح بھی صلح پسندی کے خلاف نہیں ہے - لیکن امام حسینؑ نے اس وجہ سے ایسا نہیں کیا کہ حر کو ابن زیاد نے "تاکید کی تھی - کہ" امام حسینؑ کو بے آب و گیاہ زمین پہ قیام کے لئے مجبور کر دو" (مقتل عقبہ بن سمعان) ایسی صورت میں امام کا یہ مناسب اقدام تصادم کا سبب بن جاتا اور دنیا یہ سمجھتی کہ بانی کے بیٹے امام حسینؑ سے جنگ ہوئی اور وہ شہید کر دیئے گئے یعنی شہیدؑ کے مقصد سے دنیا واقف نہ ہو سکتی - اسی بے نتیجہ ہونے سے امام حسینؑ نے خداوند عالم سے پناہ مانگی تھی۔

چونکہ صلح پسندی کا مظاہرہ ایک نتیجہ اور پیدا کر سکتا تھا، وہ یہ کہ لوگ یہ سمجھنے لگتے کہ امام دشمن کی طاقت و اقتدار سے خوف زدہ ہیں اس لئے باوجود اختلاف کے ہر موقع پہ دب جاتے ہیں - جب صلح حدیبیہ کے موقع پہ مسلمانوں نے رسولؐ پر دب کر صلح کرنے کا الزام عائد کر دیا تو حسین پہ یہ الزام کیوں نہ عائد ہوتا لہذا ضرورت تھی کہ اپنے عمل کو نقطہ اعتدال پہ رکھنے کے لئے ایک ایسا متوازن طریقہ کار اختیار کیا جائے

جو ہر بے بنیاد الزام کی رد کرتا ہے چنانچہ تاریخ میں ایسے واقعات بکثرت ہیں جن سے امام کا مخالفین کے ساتھ بااختیار ہونا اور صلح پسندی کے ساتھ نڈر ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً:

"عقبہ نے کہا ہم مدینہ سے نکلے اور عام شاہراہ کو اختیار کیا لیکن اہل بیت نے امام سے کہا کہ اگر عام شاہراہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار فرمائیں (جیسا کہ ابن زبیر نے کیا ہے) تو آپ کو کوئی گرفتار نہ کر سکے گا۔ فرمایا بخدا میں شاہراہ کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ قضائے الٰہی جو بہتر سمجھے وہ کرے" (مقتل عقبہ)

"عقبہ نے یہ بھی کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن مطیع ملے۔ چنانچہ عبد اللہ نے امام سے عرض کیا۔ میں آپ پر نثار کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا میں اس وقت تو جا رہا ہوں آئندہ خدا سے استخارہ کروں گا۔ عبد اللہ نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے اور ہمیں آپ پر قربان کرے۔ جب آپ مکہ پہنچیں تو کوفہ کے قریب ہرگز نہ جائیں۔ وہ بڑا ہی منحوس شہر ہے۔ وہاں آپ کے باپ قتل ہوئے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور ان پر ایسا حملہ کیا گیا جو مہلک ہو سکتا تھا۔ آپ عرب کے سردار ہیں۔ حرم میں قیام کیجئے۔ اہل حجاز آپ کے ہوتے ہوئے کسی کی طرف رخ نہ کریں گے۔ ہر طرف سے لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ آپ حرم کو نہ چھوڑیں میرے ماں باپ آپ پر نثار) خدا کی قسم اگر آپ ہلاک کر دیئے گئے تو آپ کے بعد ہم غلام بنا لئے جائیں گے۔" (مقتل عقبہ)

پہلے بیان سے اہل بیت کے مقابلہ میں امام حسینؑ کا سکونِ نفس اور ان دونوں بیانات سے امام حسینؑ کا خوف زدہ نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ اہل بیت کو گرفتاری کا عبد اللہ بن مطیع کو امام کی جان کا خوف تھا۔

"عقبہ نے بیان کیا کہ امام نے جب کوفہ کی روانگی کا ارادہ کیا تو

عبداللہ ابن عباس حضرت کے پاس آئے۔ اور کہا کہ علام افواہ ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔ خبر دیجئے آپ کا کیا قصد ہے۔ امام نے فرمایا میں نے آج کل یا پرسوں کسی ایک دن جانے کا مصمم ارادہ کیا ہے۔ ابن عباس نے کہا۔ میں آپ کو اس ارادہ سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں۔ مجھے یہ بتلائیے کہ کیا آپ ایسی قوم کے پاس جاتے ہیں جس نے اپنے حاکم کو قتل کر دیا ہے اپنے وطن پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور دشمن کو نکال دیا ہے۔ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو آپ شوق سے جائیے اور اگر ان کا حاکم ان پر مسلط ہے اور عمال ٹیکس وصول کر رہے ہیں۔ اور اس حالت میں انہوں نے آپ کو اپنے پاس بلایا ہے۔ تو آپ کو جنگ کے لیے بلایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو دھوکا دیں گے۔ اور آپ سے جنگ کریں گے۔

امام نے فرمایا۔ میں خدا سے استخارہ کروں گا۔ اور دیکھوں گا کہ کیا ہوتا ہے۔

اس سے بھی امام حسینؑ کی شجاعت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امام انجام سے واقف ہوتے ہوئے بھی خوفزدہ نہ تھے۔

عقبہ کہتے ہیں کہ اسی دن شام کو یا دوسرے دن صبح کو ابن عباس آئے، اور کہا کہ میں صبر کی کوشش کرتا ہوں لیکن مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ اس سفر میں مجھے آپ کی ہلاکت اور تباہی کا خوف ہے۔ عراق والے غدار ہیں۔ ان کے پاس نہ جائیے۔ مکہ میں رہئے آپ سید اہل حجاز ہیں۔ اگر عراق والوں کو جیسا وہ ظاہر کرتے ہیں آپ کی خواہش ہے آپ انہیں لکھیے کہ وہ اپنے دشمن کو وہاں سے نکال دیں پھر اس کے بعد آپ ان کے پاس جائیں۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حالات اتنے پُرآشوب تھے کہ ابن عباس کو حسینؑ کی شہادت کا یقین تھا اور ابن عباس کا ایسا عظیم المرتبت انسان یہ کہنے پر مجبور تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ صبر کروں اور مجھ سے نہیں ہوتا۔ لیکن وہ

حسینؑ تھے جن کے سینہ میں علی ابن ابی طالب کا دل تھا۔ اور حسینؑ کی یہ خصوصیت اتنی نمایاں تھی کہ دشمن تک نے یعنی عمر ابن سعد نے نویں محرم کو حسینؑ سے بیعت کے لئے نہیں کہا اور حملہ کر دیا۔ لوگوں کے کہنے پر اُس نے جواب دیا کہ " میں اچھی طرح جانتا ہوں بخدا حسینؑ کبھی بیعت نہ کریں گے۔ اُن کے پہلو میں اُن کے باپ کا دل ہے۔

"ابن عباس نے امام سے کہا) اگر آپ جاتے ہی ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ قتل نہ کر دیئے جائیں جیسے عثمان قتل ہوئے اور اُن کی عورتیں اور بچے ان کے قتل کا منظر دیکھ رہے تھے۔"

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباس بار بار آپ کو خطرناک انجام سے باخبر کر رہے تھے۔ اور نہ صرف حسینؑ بلکہ اُن کے اعزا و اقارب کی زندگی کو بھی خطرہ میں پا رہے تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جب کہ ابن عباس قرائن سے انجام کی تصویر کھینچ سکتے تھے۔ تو حسین ابن علیؑ کا سا مدبر انسان جس نے تدبر کا دنیا میں ریکارڈ قائم کیا ہے۔ انجام سے ناواقف ہو۔ ماننا پڑے گا کہ حسین وہ دیکھ رہے تھے اور وہ سمجھ رہے تھے۔ جو ابن عباس بھی نہ دیکھ سکے اور کوئی شک نہیں کہ وہ موت کے یقین کے باوجود مطمئن تھے۔

"امام نے رات کے آخری حصہ میں پانی بھرنے اور پھر کوچ کرنے کا حکم دیا، ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ جب ہم قصر بنی مقاتل سے آگے بڑھے اور تھوڑی دور چلے تو امام کی آنکھ لگ گئی پھر انا للہ و انا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین۔ فرماتے ہوئے بیدار ہوئے اور دو یا تین بار انہی کلمات کو دہرایا۔ جناب علی بن الحسینؑ (علی اکبر) گھوڑے پر حضرت کی طرف آئے اور انا للہ کہہ کر عرض کیا آپ پر خدا

ہوں۔ اس وقت یہ کلمات کیوں ارشاد فرمائے۔ امام نے فرمایا بیٹے میری آنکھ لگ گئی۔ ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا ہے "یہ لوگ سفر میں مشغول ہیں اور موت ان کے ساتھ جا رہی ہے" میں نے سمجھا کہ ہمیں موت کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت علی اکبر نے کہا۔ خدا آپ کو ہر بلا سے بچائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کی طرف تمام انسانوں کی بازگشت ہے بے شک ہم حق پر ہیں۔ حضرت علی اکبر نے کہا۔ بابا پھر ہمیں حق پر ہوتے ہوئے موت کی کچھ پروا نہیں ہے۔ امام نے فرمایا خدا تمہیں وہ بہترین جزا دے جو ایک باپ کی طرف سے بیٹے کو دیتا ہے" (مقتل عقبہ)

اس واقعہ سے جہاں کئی نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اگر انسان حق پر ہو تو اسکے موت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس واقعہ سے امام حسینؑ کے نڈر ہونے کی خود انہی کی زبان سے یہ تفسیر ہو گئی کہ چونکہ وہ حق پر تھے لہذا وہ موت سے خائف نہ تھے۔ اور اس کے ساتھ علی اکبر کی عظمت بھی ثابت ہوتی ہے۔ علی اکبر کی یہی وہ بلند کرداری تھی جس کی بنا پر امام حسینؑ نے انہیں یہ سند دی تھی۔ کہ وہ گفتار کردار میں رسولؐ کے ہمشبیہ ہیں"

امام حسینؑ نے اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یزید کی حکومت کے خلاف میرا احتجاج نہ تو حکومت کے حصول کی خاطر ہے، نہ خاندانی عداوت کی بنا پر اور نہ ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے، بلکہ یہ اختلاف خالص مذہبی ہے اور حق کے تحفظ کی خاطر ہے۔ پروپیگنڈے کا فلسفہ دورِ حاضر کی پیداوار

سمجھا جاتا ہے اور اس کا استعمال غلط طور پر کیا جاتا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب غلط پروپیگنڈا بھی ایک نہ ایک مدت تک لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے تو حقیقت کا بار بار اعلان کیونکر نہ عالمگیر تاثرات کا سبب بنے گا۔ عقبہ بن سمعان کے مقتل میں ہم کلامِ امام میں یہ التزام دیکھتے ہیں کہ کسی نہ کسی پیرایہ میں ضرور اپنے عمل کے اللہ کی رضا جوئی کا پابند ہونے کا اظہار کیا گیا ہے — ملاحظہ ہو ہیں

(۱) عقبہ نے کہا ہم مدینہ سے نکلے اور عام شاہراہ کو اختیار کیا۔ لیکن اہل نے امام سے کہا کہ اگر عام شاہراہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار فرمائیں (جیسا کہ ابن زبیر نے کیا ہے) تو آپ کو کوئی گرفتار نہ کر سکے گا۔ فرمایا بخدا میں شاہراہ کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ قضائے الٰہی جو بہتر سمجھے وہ کرے (طبری [illegible])

(۲) "عقبہ نے کہا کہ ہمیں عبداللہ بن مطیع ملے۔ چنانچہ عبداللہ نے امام سے عرض کیا (میں آپ پر نثار) کہاں کا قصد ہے فرمایا اس وقت تو میں جا رہا ہوں آئندہ خدا سے استخارہ کروں گا" (مقتل عقبہ)

(۳) "ابن عباس نے کہا اس حالت میں انہوں نے آپ کو بلایا ہے تو آپ کو جنگ کے لئے بلایا ہے۔ اور مجھے اطمینان ہے کہ وہ آپ کو دھوکا دیں گے۔ اور آپ سے جنگ کریں گے امام نے فرمایا" میں خدا سے استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ کیا ہوتا ہے۔"

(۴) "امام نے ابن زبیر سے فرمایا بخدا میرا دل کوفہ جانے کو کہتا ہے۔ میرے دوستوں اور کوفہ کے اشراف نے مجھے خط لکھے ہیں۔ [illegible] اس امر میں خدا سے استخارہ بھی کروں گا۔"

(۵) "عقبہ کہتے ہیں کہ جب ہم ثعلبیہ (مقام) سے آگے بڑھے

اور تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ امام کی آنکھ لگ گئی پھر انا للہ وانا الیہ راجعون
والحمد للہ رب العالمین کہتے ہوئے بیدار ہوئے اور دو تین
بار یہی کلمات کو دہرایا۔ (مقتل عقبہ)

یہ تھا وہ محتاط طرز عمل جس سے امام نے اتنے نتائج اہل عالم کے مطالعہ کے لیے چھوڑے:-

(۱) امام حسینؑ بیعت کرنے کے لئے کسی حالت میں بھی تیار نہ تھے۔

(۲) امام کا بیعت نہ کرنا کسی اور وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اللہ کی مرضی کے حصول کے لئے تھا۔

(۳) امام حسینؑ جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بیعت کے علاوہ باقی ہر شرط پر صلح کے لئے تیار تھے یہاں تک کہ فرمایا "مجھے چھوڑ دیں خدا کی اس وسیع زمین میں کہیں چلا جاؤں۔" (مقتل عقبہ بن سمعان)

(۴) مخالفت یزید کی اہل باطل کی دشمنی سے نہ تھی۔ بلکہ حصول مقصد کی خاطر تھی۔

(۵) اتمام حجت کے بعد بھی جب بیعت لینے پر اصرار جاری رکھا گیا اور مظالم شروع کر دیے گئے تو اس وقت بھی امام حسینؑ نے اس وقت تک جنگ نہیں کی جب تک مدافعت تحفظ جان کے لیے شرعی طور پر واجب نہ ہو گئی جب وہ موقع آ گیا تو ہر ایک نے انفرادی طور پر مدافعت کی۔ اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس بے بسی اور تنہائی کے عالم میں بھی امام حسینؑ نے یزید کی تیس ہزار کی فوج کو سات مرتبہ نخیلہ تک بھگا دیا۔ آخیر میں سجدۂ خالق میں شہید ہو گئے۔

پورے بیان کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام حسینؑ نے ایک عظیم الشان مقصد کو

حاصل کرنے کے لئے ایک نہایت وسیع اور منظم لائحۂ عمل مرتب کیا تھا۔ اور یہی سبب ہے کہ امام حسینؑ کا کوئی فعل نہ اضطراری تھا اور نہ جذبات کے تقاضوں کے ماتحت بلکہ اُن کے نظامِ عمل کا ہر جزو حصولِ مقصد کی ایک کڑی ہوتا تھا۔ جس کے بغیر وہ عظیم الشان نتیجہ یا تو مرتب نہ ہو سکتا یا اُس میں نقص رہ جاتا۔ اسی لئے کلام میں میں نے عرض کیا تھا کہ ہوا کا ہر جھونکا ایک وسیع اور منظم قانونِ قدرت کا سراغ بتاتا ہے، اسی طرح امام حسینؑ کا ہر معمولی سا معمولی فعل نتیجہ خیز بھی ہے۔ اور ایک وسیع اور منظم دستور العمل کا جزو بھی۔ ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک تاریخ ہماری مدد کر سکے ہم امام حسینؑ کے کردار کی مدد سے اُن اُصولوں کو متعین کرنے کی کوشش کریں جن کے وہ امانت دار تھے اور جن کی تبلیغ اُن کی زندگی کا مقصد تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حسینؑ کا دستور العمل نہایت پیچیدہ ہے اور اس کو پیچیدہ اور دشوار ہونا بھی چاہئے

[illegible] لئے کہ قانونِ قدرت کا کون سا جزو ایسا ہے جو وسیع اور پیچیدہ نہیں ہے۔ یہ ایسا دشوار طریق کار تھا کہ ابن عباس کی ایسی بزرگ شخصیت بھی اس کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ یہاں تک کہ خود اعزا اس کے دقائق سے اُس حد تک واقف نہ تھے جہاں تک امام حسین کی نگاہِ فطرت شناس پہنچ گئی تھی۔ مثلاً یہی واقعہ کہ اعزا نے چاہا کہ امام حسینؑ شاہراہ کو چھوڑ کر کوئی غیر معروف راستہ اختیار کر لیں۔ لیکن امام نے اسے مصلحت کوشی اور خیر اندیشی کے خلاف خیال کیا۔ بالکل اسی طرح جب سقراط سے اُس کے شاگردوں نے چھپ کر چلے جانے کو کہا تھا تو اُس نے انکار کیا تھا اور

اپنے افکار کو صحیح ثابت کرنے کے لئے عقلی دلائل پیش کرتے تھے۔ فرق یہ ہے
کہ سقراط نے شاگردوں کو جو جواب دیا تھا۔ اس کی افادیت محدود تھی لیکن
امام کا حکیمانہ جواب "بخدا میں شاہراہ کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ مشیت
الٰہی جو بہتر سمجھے وہ کرے" اپنے اندر افادیت کا ایک لا محدود سمندر لئے
ہوئے ہے۔ ایک تو انداز بیان اتنا پُر طاقت ہے جس سے اللہ پر اعتماد کے
جذبہ کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ مشیت الٰہی جو کچھ بہتر سمجھے گی وہی
کرے گی۔ دوسرے انسان کے راضی برضا رہنے کی تعلیم مضمر ہے۔ اس
ایک جملہ میں تصور الہ کا عظیم فلسفہ جو تمام اصول اسلامی پر محیط ہے
مضمر ہے پھر یہ کہ یہ جملہ ہی سقراط کے جواب سے بہتر نہیں ہے نفظی
تعلیم تو اُس وقت ہوتی جب امام خود محل امتحان میں نہ ہوتے
اور دوسروں کو ایسے محل کے لئے تعلیم دے رہے ہوتے۔ لیکن امام خود
خطروں سے دوچار تھے اور وہ خطرے اُس خطرہ سے کہیں زیادہ عظیم
تھے جو سقراط کو درپیش تھا۔ اُس وقت امام کا یہ قول اُن کے عدیم
المثال اطمینان نفس اور بے نظیر عزم دپا مردی کا ثبوت ہے جو تاریخ
انسانیت میں سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اگر امام حسینؑ ابن زبیر کی طرح چھپ کر چلے جاتے تو ابن زبیر
اور امام حسینؑ کے مقصد میں فرق واضح نہ ہوتا ضروری تھا کہ اس موقع پر امام
حسینؑ اپنے طریق کار کا امتیاز دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ آئندہ تاریخ
کے اخذ کرنے میں آسانی ہو۔ اگر امام حسینؑ اہل بیت کے کہنے پر عمل کرتے
تو چاہے اس سے کوئی بڑا نتیجہ مرتب نہ ہوتا لیکن ممکن تھا۔ کہ اس عمل
سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے اور امام کا مقصد سمجھنے میں دشواری

بڑھ جاتی۔

جہاں تک امام حسینؑ کے ذاتی کارناموں اور اپنے ہمراہیوں کی صحیح قیادت کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ یہ امام حسینؑ کے اجتہاد فکری اور قوت تدبر کا نتیجہ تھا۔ لیکن امام حسینؑ کے ہمراہیوں کی شخصیت اور ان کے کردار کی تعمیر میں امام حسینؑ کا بہت کم حصہ ہے۔

ہم ہر ملک اور ہر تاریخ کے ہر دور میں دیکھتے ہیں کہ چاہے کتنی بڑی شخصیت ہو اپنے معین مددگار اور ہم خیال انسان فوراً نہیں پیدا کر سکتی خود جو چاہے کرے لیکن دوسرے اشتراکِ عمل پر آمادہ نہیں ہوتے یہاں تک کہ اعزا و اقارب اور خاندان والے بھی ساتھ نہیں دیتے فطرت کے اصول پر نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام حسینؑ کے ہمراہی بلا استثناء خواہ وہ اعزا و اقارب ہوں خواہ اصحاب ان کا کردار ایک دم سے اتنا بلند نہیں ہو گیا تھا اس جماعت کے مزاج اخلاقی کی عمارت کی تعمیر کا سہرا بانیِ اسلام حضرت رسالت مآبؐ کے سر ہے۔ یہ سوال کہ اگر امام حسینؑ تنہا ہوتے تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے یا نہیں اس کا جواب مشکل ہے۔ امام حسینؑ کا عظیم الشان اہتمام ابن عباس کے منع کرنے کے باوجود اہل بیت کا ساتھ لے جانا، لوگوں کو خط لکھ کر بلانا۔ ناقابل اعتماد لوگوں کو راستہ میں اپنے ساتھ سے جدا کر دینا۔ یہ تمام باتیں عبث نہیں تھیں۔ یقیناً حصولِ مقصد کے لئے یہ اہتمام ضروری تھا۔ امام حسینؑ کا عمل خود اس بات کا ثبوت ہے۔ ماننا پڑے گا۔ اگر یہ اہتمام نہ کیا جاتا تو امام حسینؑ اپنے مقصد میں ناکام رہتے ایسی شخصیتوں کا پیدا کر دینا جو امام حسینؑ کے ساتھ عملی تقسیم کر لیں حضرت رسالت مآبؐ کا زریں کارنامہ ہے اور یہی وہ دلیل ہے جس کی بنیاد

پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حسین کا کارنامہ رسولؐ کا کارنامہ ہے امام حسینؑ کو محض نائب رسول کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن بتدریج نتائج مرتب ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ رسولؐ سے حسینؑ تک جو درمیانی وقفہ ہے اُس میں بھی رسولؐ کا پیدا کیا ہوا انقلاب تدریجی طور پر بڑھتا رہے اس لیے حضرت علی اور امام حسنؑ کی شخصیتیں بھی ناقابل فراموش ہیں اور ماننا پڑے گا کہ یہ بھی واقعۂ کربلا میں عملی طور پر شریک تھے۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ واقعہ کربلا میں شرکت کے لیے ۶۱ھ میں امام حسینؑ کے ساتھ شریک ہو کر جہاد کرنا ضروری ہے لیکن یہ غلط فہمی اس سبب سے ہے کہ لوگوں کی نظر قوانینِ فطرت پر نہیں ہے۔ وہ تاریخ کے فلسفہ سے ناواقف ہیں۔ یقین مانئے اگر حسینؑ سے پہلے والے اُن کے لیے زمین ہموار نہ کر رکھتے اور امام حسینؑ تن تنہا ہوتے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اور اس میں بھی شک نہیں کہ امام حسینؑ کے بعد واقعہ کربلا کو زندہ رکھنے کے لیے جس کے ساتھ حسینؑ کا مقصد حیات وابستہ تھا ائمہ معصومین نے اپنی پوری پوری عمریں وقف کر دیں اور یہ بھی واقعۂ کربلا میں عملی شرکت ہی اس لیے کہ اگر ائمہ طاہرین عملی امانت نہ کرتے رہتے تو واقعۂ کربلا کی نوعیت یا مسخ ہو جاتی یا مٹ جاتی اور مقصد شہادت فنا ہو جاتا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ پرجوش اور بخیالِ خود نوعِ انسانی کے ہمدرد بعض حضرات اسلام پر اعتراض کر دیتے ہیں کہ اُس نے غلامی کے اُصول کو ختم نہیں کیا لیکن یہ بھی مذکورہ الصدر غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ کامون پوری دام ظلہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"بجائے اس کے کہ اسلام انسدادِ غلامی کا قانون اچانک پیش کرتا اُس نے نظامِ معیشت عام معاشرت اور تہذیب و تمدن میں انقلاب

پیدا کرنا شروع کر دیا (مقدمہ مقتل عقبہ)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اُسی حکیمانہ اُصول کے ماتحت جو کامیابی کا راز ہے غلامی کو ختم کرنا چاہا تھا۔ یاد رکھیے کہ یہ کلیہ دنیا کی ہر شے کو شامل ہے فطرت کی ہر شے میں اس کا دخل ہے جس طرح سورج کی گردش کو نہیں دیکھا جا سکتا جس طرح بچہ کی نشو و نما اور جوانی کے بعد انحطاط کو محسوس نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ممکن ہے کہ بظاہر ایسا نظر آتا ہو کہ اسلام نے غلامی کے رواج کو ختم نہیں کیا۔ بظاہر دنیا کی کسی شے میں محسوس طور پر تغیر نظر نہیں آتا۔ لیکن ہر لمحہ میں تغیر ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر اسلام نے ان بنیادوں ہی کو کھوکھلا کر دیا جن پر قبل اسلام غلامی کی عمارت قائم تھی۔ یہ اسلام ہی کے زرّیں اصولوں کا فیض تو ہے جس نے حضرت عقبہ بن سمعان کا ایسا غلام پیدا کر دیا۔ جن کا کردار دنیا کے بڑے بڑے آزاد ملکوں کے قائدین کے لئے موجودہ متمدن دور میں بھی قابل تقلید ہے۔ غلام ہونے کے باوجود عقبہ بن سمعان کی شخصیت اتنی بلند ہے کہ ان کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ وہ امام حسینؑ کے صحابی اور امین تھے۔

امام حسینؑ عالم اسرار کائنات تھے۔ اور مزاج عالم سے بخوبی واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان تمام صبر و ضبط کے مراحل طے کر لینے کے بعد بھی مقصد کا تحفظ اور حق کی تبلیغ مشکل ہے۔ اسی لئے وہ اہل بیت کو ساتھ لائے تھے۔ عقبہ بن سمعان کا زندہ رہ جانا بھی یقیناً بلا سبب نہیں ہے۔ ضرور اس میں بھی حسینؑ کی قیادت کو دخل ہے یہ بات ثابت نہ ہوتی اگر عقبہ بعد شہادت حسینؑ دشمن کے انتقام کی رد اور تبلیغ حق

کے لیے زندگی وقف نہ کر دیتے لیکن عُقبہ کا عمر بھر بنی امیہ کے پروپگنڈے کی رد کرنا اور یہ کہتے رہنا کہ "جب امام حسینؑ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور مکہ سے پھر عراق میں برابر ساتھ رہا اور آخر وقت تک آپ سے جدا نہیں ہوا اور آپ نے مدینہ، مکہ، راستہ عراق میں یا دشمن کی فوج سے جو بھی گفتگو کی اس کا ایک ایک لفظ میں نے سُنا۔ جو لوگ آپس میں یہ چرچا کرتے ہیں اور غلط گمان کرتے ہیں کہ آپ اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دینے پر راضی ہو گئے تھے۔ بخدا امام حسینؑ کبھی بھی اس پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اور نہ اس پر تیار ہوئے کہ آپ کسی سرحد پر بھیج دیئے جائیں بے شک آپ نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں خدا کی اس وسیع سرزمین میں کہیں چلا جاؤں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ کہ مسلمانوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔" (مقتل عقبہ بن سمعان) بے سبب نہ تھا۔

بعد میں اس کا نتیجہ ہماری نگاہوں کے سامنے آگیا یعنی یہ کہ علمائے "تاریخ غلطی سے محفوظ ہے اور ان کو عقبہ کے بیان سے بنی امیہ کے پروپگنڈے کی رد کے لیے دلائل مل سکے (مقتل عقبہ)

عقبہ کا زندہ رہنا اور حق کی تبلیغ کرنا ضرور ایک سوچا سمجھا ہوا اقدام تھا۔ یاد رہے کہ بیعت ہی وہ نزاعی مسئلہ تھا۔ جس کی وجہ سے امام حسینؑ شہید ہوئے اور اگر عقبہ اس پروپگنڈے کی رد نہ کرتے جسے بنی امیہ نے شہادت حسینؑ کو بے اثر بنانے کے لیے شروع کیا تھا۔ تو مقصد شہادت فوت ہو جاتا اور جب کہ عقبہ نے مفہوم شہادت اور مقصد شہادت کی حفاظت کی اور اُن کی کوشش کارنامۂ حسینی کی آخری کڑی ثابت ہوئی تو کوئی وجہ نہیں کہ ناصران حسینؑ اور مجاہدین کربلا میں اُن کا شمار نہ کیا جائے

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۲۲ کتاب المزار میں شہدائے کربلا کے ساتھ عقبہ بن سمعان پر بھی سلام کرنے کی ہدایت کی ہے۔

امام حسینؑ کے اتنے زبردست اہتمام اور اتنے مکمل نظام عمل مرتب کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بعد اتنے نتیجے دنیا تک پہنچ سکے ہیں :-

۱۔ امام حسینؑ مظلوم تھے بایں معنی کہ آپ بے قصور تھے۔ کسی دنیوی قانون کے ماتحت بھی آپ واجب القتل نہیں قرار دیئے جا سکتے اس لئے دنیائے انسانیت کا انسانی فرض ہے کہ وہ حسینؑ کی قیامت تک سوگوار رہے۔

۲۔ امام حسینؑ کی مظلومیت بے بسی کی مظلومیت نہیں ہے تاکہ محض غم کیا جائے اور آپ کے بے بسی کے عالم میں شہید ہو جانے پر صرف گریہ کیا جائے بلکہ آپ نے ایک بڑے مقصد کی خاطر مصائب برداشت کرکے اور ہمیں اپنے کردار سے سبق دیا کہ ہر انسان کو اپنے مقاصد حیات کی نہایت ہوشیاری کے ساتھ تعیین کرنا چاہئے اور اس کے بعد اپنی ساری طاقتیں صرف کرکے اسے حاصل کرنا چاہئے۔

۳۔ اگر ہمیں حسینؑ سے ہمدردی ہے۔ اگر ہمیں ان کے مقصد سے دلچسپی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن عظیم الشان اصولوں کی تبلیغ کریں جن کی تبلیغ حسینؑ کا مقصد حیات تھا اور اس طرح نصرت حسینؑ کے فرض سے سبکدوش ہو سکیں جو اخلاقی، قانونی، مذہبی اور انسانی طور پر واجب ہے۔

۴۔ نہ صرف یہ کہ ہم اُن اعلٰے اصولوں کی اشاعت کریں جن کا

امام حسینؑ نے تحفظ کیا اور جو نوعِ انسانی کی ذہنیت کو تبدیل کر کے اسے حقیقی آزادی، حقیقی مسرت اور مستقل خوشحالی بخشنے کے ذمہ دار ہیں بلکہ عملی طور پہ بھی ہم اُن اُصولوں کی تبلیغ کا ذریعہ نہیں ہیں اس لئے بھی کہ ہم عملی نمونہ بن کر لوگوں کے دلوں کو زیادہ متاثر کر سکتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ محض اعلیٰ اصول کسی نتیجہ کو برآمد کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔

واقعۂ کربلا کی اشاعت کیلئے مجتہدین و علماء و افاضل و اہل رائے کی قوم سے اپیل!

واقعۂ کربلا نوعِ انسانی کا بے نظیر و عظیم الشان روحانی و تہذیبی کارنامہ ہے۔ علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری مجتہد العصر نے عراق و شام وغیرہ کے علماء اور کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ خصوصاً مصر میں کئی سال محض تاریخ کے مطالعہ میں صرف کئے۔ آپ نے قوم میں تاریخی ذوق پیدا کرنے کے لئے اس سلسلہ میں کچھ قابلِ قدر اقدامات کئے ہیں آپ نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ کربلا کے قدیم ترین مصادر کو ترجمہ و بحث و تحقیق و درایت کے ساتھ شائع کیا جائے۔ تاکہ موجودہ نسل اس واقعہ کی عظمت سے فائدہ اٹھانے اور آنے والی نسلوں کو حق و صداقت کی روشن راہ میں نجات کا گوہرِ مقصود مل جائے۔ قوم کے اہلِ علم و فضل سے امید ہے۔ کہ وہ قدیم مخطوطات کو ڈھونڈھیں گے۔ اُنہیں ترجمہ و درایت کے ساتھ شائع کریں گے۔ اہلِ دولت کا فرض

ہے کہ انہیں چھپوائیں اور عوام کا فرض ہے کہ ان سے فائدہ اٹھائیں۔
(ممتاز العلماء) سید محمد عرف میرن (مرحوم) (مولانا) سید مبارک حسین۔
(صدر الافاضل) (فاضل شرقیات) سید اطہر حسین جعفری ایم اے (مولانا) سید باقر مہدی رضوی (فاضل دبیر کامل) (خان بہادر) علی سجاد حسین (ریٹائرڈ کلکٹر و مجسٹریٹ ایم۔بی۔ای) شیخ ممتاز حسین جونپوری (جوائنٹ سیکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس) احتشام حسین (پروفیسر الٰہ آباد یونیورسٹی) یوسف حسن موسوی (پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی) نوازش علی خاں (قزلباش) ایم۔ایل۔اے) مرزا عزیز الحسن (صدر انجمن سجادیہ کلاں پور) سید یوسف حسین رضوی (وکیل) سید مطلب حسین بی۔اے ایل ایل بی۔ سید منتخب حسین بی۔اے ایل ایل بی۔ ڈاکٹر سید سرور حسین (امین آباد) (شاعر و ادیب) سید اقسر نواب (امین آباد)

عقبہ بن سمعان کا مقام

(از سید شہید حسن صاحب شہید صفی پوری ایم اے)

سکوں زائے تجلائے امامت کے نگیں عقبہ
بہار گلشن انسانیت کے خوشہ چیں عقبہ

زبان حق بیاں شاہ دیں کا ہمزباں تو ہے
امین راز قدرت کا امیں رازداں تو ہے

کھلا تیرے مذاق اکتساب علم و عرفاں سے
ترقی ہے نہیں خارج حدود عزم انساں سے

کریں گے فخر ابنائے جہاں تیری غلامی پہ
کرے گی رشک تاریخ محبت نیکنامی پر

شہادت سے تری بڑھ کر اہم تھی زندگی تیری
کہ تو نے مقصد اہل وفا کو زندگی بخشی

عہ شہید صاحب علامہ کاملؔ پوری کے بھتیجے داماد عصمت خاتون مرحوم و مغفور کے شوہر ہیں

غلامانِ حسین ابن علیؑ کی آن دکھلا دی
حقیقی حریت کی عزمِ پیہم شان دکھلا دی

قدم اکھڑے نہ تیرے شاہراہِ عزم منزل سے
دیا ذوقِ وفاداری نہ استبدادِ باطل سے

رہا سرگرمِ تبلیغِ حقیقت رہ نما بن کر
دلوں کو روشنی دی ترجمانِ کربلا بن کر

اُڑا دیں دھجیاں قومِ جفا جو کی سیاست کی
کہ تو نے عمر بھر توثیق کی انکارِ بیعت کی

دیا درسِ ثباتِ آہنی عزم و رفاقت کو
بچایا کفر کے حملوں سے مفہومِ شہادت کو

سُنا دی ظلم کے ماحول میں تو نے صدا دل کی
ثبوتِ شانِ جوانمردی سے کی تکذیبِ باطل کی

رہا ہمراہِ سرورِ لشکرِ حق ہمرہِ ہر منزل
کسی منزل پہ کم ہونے نہ پایا جذبۂ کامل

نہ چھوڑا ساتھ حق کا دشت کی پُرہول راہوں میں
سکونِ دائمی تھا اس طرح رنج تیرے دل میں

کتابوں میں ہے مرقوم تیری شانِ خودداری
سبق ہے نوعِ انساں کیلئے تیری وفاداری

رہے گی حشر تک تیری وفا کی داستاں باقی
رہیں گے وقت کے جادہ پہ قدموں کے نشاں باقی

حضرت عقبہ بن سمعان

(از شاعرِ جوان فکر جناب محمد قاسم صاحب زاہد فتح پوری کراچی)

منقلب ہیں وقت کے قلب و جگر
کشمکش میں مبتلائے چشمِ تر

فکر کی دنیا میں ہلچل ہے مچی
ہے قیامت آفریں ہر اک نظر

چٹکیاں لیتے ہیں دل میں درد و غم
پھٹ رہا ہے دردِ بے پایاں سے سر

چیونٹیاں سی رینگتی ہیں خون میں
ہے رگوں میں آگ سرگرمِ سفر

آگ وہ بھڑکی ہوئی ہے قلب میں
جس پہ معنی آب دریا کا اثر

آگ جس کی گود میں ہے گلستاں — جس سے بارآور ہے ایماں کا شجر
آگ جس سے شاخِ دیں شاداب ہے — آنچ کھا کر جس کی پکتے ہیں ثمر
آگ جو پگھلائے فولادی حصار — آگ جس سے راکھ ہو کاشانۂ شر
جس سے روشن ہے محبت کا چراغ — جس سے پانی پانی نفرت کا جگر
جس سے ہے انساں کے جوہر پہ جلا — جس سے بجھ جاتی ہے شیطاں کی نظر
جس سے قائم زندگیٔ کائنات — جس پہ جادوئے اجل ہے بے اثر
روحِ انساں کے لئے جو ہے مفید — جسمِ انساں کے لئے جو کارگر
خلعتیں جس کی نگاہوں میں حقیر — جس کی نظروں میں خزف انبارِ زر
آتشِ امن و اماں جس دل میں ہے — وہ ہے بے شک صاحبِ فکر و نظر
نصفتِ صدق و صفا کی جوت سے — زندگی پاتا ہے۔ لافانی۔ بشر
ظلم کے طوفان میں جس کے طفیل — بندۂ حق رہتا ہے سینہ سپر
خیر کا تن جس سے پاتا ہے نمو — سرد پڑ جاتی ہے جس سے روحِ شر
زندگی کو جس سے خوفِ جاں نہیں — رعبِ سلطاں سے نہیں خم جس کا سر
جس سے ہے محفوظ انساں کا وقار — جس سے پاتا ہے حقوق اپنے بشر
جو لگائے بندگی میں چار چاند — رات کو جو دے پیاماتِ سحر
فکر سے جس کی نکھر جائے جہاں — گفتگو سے جس کی چونکیں دشت و در
جس کی رگ رگ میں وفا کا خون ہو — جذبۂ صدق و صفا سے پُر ہو سر
قوتِ احساس جس کی ہو جمیل — مقصدِ اعلیٰ پہ ہو جس کی نظر
جس کے دل میں ہو شرافت کا ضمیر — جانتا ہو جو رموزِ خیر و شر
جو ہو نقادِ حقیقت آشنا — مملکت کا جس کے دل میں ہو نہ ڈر
موت جس کو دیکھ کر مانگے اماں — جو بنائے سینۂ طوفاں میں گھر

آتشِ حق سے ہے روشن کس کا دل — کس کی باتیں ہیں دوائے کارگر
کون ہے وہ بندۂ حق آشنا — ناصرِ شبیرؑ عقیدہ جیگر

حضرت سجاں کا نورِ نظر
بندۂ حق — عقبہ عالی گہر

عقل پرور علم کی امید گاہ — علم پرور عقل کا لختِ جگر
عاشقِ شبیرؑ یکتائے دہر — بندۂ اخلاص، رہائے خوش اثر
حاملِ علمِ حقیقت آشنا — قافلہ سالار تاریخ و سیر
قید ہو کر یہ بھی جاتا شام کر — عقبہ ہوتا آلِ پیغمبرؑ اگر
زندگی بخشی مشیت نے اسے — تاکہ ہو آتش دعا کی تیز تر

زلزلے ہیں امن کے دشمن اگر
فائدہ بھی ان سے ہوتا ہے مگر

ہیں اگر دنیا میں نقصانوں کے کھیت — منفعت کے بھی تو ہیں تازہ شجر
راہیں ڈس لیتی ہیں رہبر کو کبھی — اور کبھی دیتی ہیں منزل کی خبر
ہے وہ تکلیف میں مضمر نجات — درد سے بچتا ہے تو بچنے دو سر
بادلوں میں ہے کہیں رنگِ نشاط — اور کہیں سیلاب پر خوف و خطر
باطنِ طوفاں میں ہے جنت کا جمال — موجۂ طوفاں ہے گردن زنِ نظر
پھونکے جب برقِ ظلمت آشیاں — پیدا ہو جاتی ہے پھر شاخِ دگر
لوٹے جب قافلہ کو راہ زن — پیدا ہو جاتا ہے خود اک راہ پر
مشکلوں کے کھیت میں آسانیاں — اگتی رہتی ہیں ہمیشہ بے خطر
آگ اڑا دیتی ہے پانی کا وجود — آگ پر پانی کے چھینٹے ہیں اثر
آگ سے پانی کا قائم ہے وقار — آگ ہے پانی کے دل میں جلوہ گر

آتش حق بجھ نہیں سکتی کبھی
چھپ نہیں سکتی محبت کی نظر

آتش صدق و وفا جس دل میں ہے
کون دیکھے چیر کر اس کا جگر

ایسے بھی تاریخ میں ہیں عقل داں
جن سے دنیا آج تک ہے بے خبر

کربلا کے واقعے سے پھٹ گیا
رہبر ظلم و تشدد کا جگر

آتش زر نے خریدا قوم کو
بک گئے تاریخ داں - اہل سیر

حسب منشاء کاٹ چھانٹ ہونے لگی
واقعات کربلا میں سر بسر

سوزن زر نے سیے کام و دہن
پا گئی لیکن صداقت بال و پر

آگ نے چھوڑا غبار انہدام
آگ نے پیدا کیا اک دیدہ ور

ہے جہاد عقیفہ بے شک بے نظیر
جیتے جی کی جس نے حق کی سر

جس کی گھٹی میں ہے تعمیر وفا
جس سے ہے سرسبز ایماں کا شجر

ناصر حق - معتمد شبیرؑ کا
بات جس کی مستند اور معتبر

ہر سخن صدق و صفا کا آئینہ
ہر سخن تفسیر آیات سحر

ہر سخن تشکیل دنیائے وفا
ہر سخن سرمایۂ اہل سیر

ہر سخن جاں صداقت آفریں
ہر سخن سے بزم شر - زیر و زبر

ہر سخن سے حق کی افزوں آبرو
ہر سخن پہ پانی پانی - اہل شر

دم بخود ہیں خالقان واقعات
آفریں اے عقبۂ عالی نظر

ہر ارادہ کفر کا باطل ہوا
تیرے نور عشق سے ہر موڑ پر

عہد و پیماں تیرا کوہ مستقیم!
ناز ہے دیں کو تیرے کردار پر

لہلہاتا ہے تری سیرت کا کھیت
رہ گیا سر اپنا باطل پیٹ کر

ہر مورخ کے لیے تو شمع راہ
تجھ سے ہے تاریخ ایماں معتبر

مرحبا اے ناشر پیغام حق
آفریں اے قاطع اوہام شر

آبروئے واقعاتِ کربلا — تجھ سے بھی باقی ہے اے عالی گہر
اے شہیدِ نازکے سچے غلام — آشیاں تیرا ہے دوشِ برق پہ
تجھ سے گرمی سینۂ تاریخ میں
تو بھی ہے اسلام کا تاریخ گر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقبہ ابن سمعان

(از سید الشعرا جناب سید محمد رفیع صاحب عرشی بڑا میوی (بہار))

قطعہ

اللہ رے مورخِ اعظم امامِ فن — جن کی نظر سے پھوٹ چلی علم کی کرن
عقبہ کو جس نے کر دیا عالم سے روشناس — تحقیق کے وہ مہرِ مبیں مجتبےٰ حسن

نظم

اے قلم قوتِ اعجاز بیانی دکھلا — کر دکھا دے لیتی ہو جس میں ہمہ دانی دکھلا
دے جو پیری کو خداداد جوانی دکھلا — لے کے آجائے جو کوثر کی روانی دکھلا
پیش عقبہ کی خداکاری کا آئینہ ہو
دولتِ فضلِ خداداد کا گنجینہ ہو

کون؟ عقبہ سرِ تنظیم ہدایاتِ حسینؑ — ذی شرف ناظمِ تبلیغ، نوائے حرمین
شاہدِ معرکۂ سبطِ رسول الثقلین — رائتِ افزانہ کمالاتِ امامِ دارین
مادرِ حضرتِ اصغرؑ کا جو تھا عہدِ وفا

راویٔ عینی ہے جو ہر شہ کرب و بلا

فخرِ خاتونِ جہاں مریمِ اسلام ربابؑ   مادرِ حضرت اصغرؑ، حرمِ عرش جناب

خادمِ آلِ عبا کا تھا یہ قولِ نایاب   ہم کو محبوب ہے گھران کا بہ پایانِ رباب

تھے غلام ایسی مہ عز و شرف کے عقبہ

جن کی دہلیز پہ آتا تھا ملک بن کے گدا

وہ غلامی کہ جو ہے آج بھی وجہِ صد عار   اسکا اسلام نے اونچا کیا کیسا معیار

وہ رسولِ عربی نوعِ بشر کا معمار   جس کا ہر فعل تھا عالم کے لئے تاجِ وقار

زید و زینت کا کیا عقدِ شریعت دیکھیں

اک غلام اک بہن اہلِ بصیرت دیکھیں

کون تھے قنبر و بجاہ اٹھا کیا انکا نسب   دینِ اسلام نیا لوں گا سبب اور رجب

یہ غلامی ہے کہ ہیں تاجِ عجم فخرِ عرب   زندگی جن کی ہے سرمایۂ خوشنودیٔ رب

تھے اسی طرح سے عقبہ بھی امین شبیر

تاجدارِ شرف و خسروِ ملک توقیر

یاد وقتیکہ کہ شہِ دیں نے کیا گل تھا چراغ   جبکہ سینوں پہ نظر آتے تھے جرأت کے داغ

جبکہ دیتے تھے لبریز محبت کے ایاغ   جبکہ تھا خون کے گرداب میں اسلام کا باغ

بحر سے موج نے جس طرح کنارہ نہ کیا

چھوڑنا شاہ کا عقبہ نے گوارہ نہ کیا

پھوٹ نکلا شفقِ حق ہے ضیا بار قمر   یعنی عقبہ کی شہادت ہے بانداز دگر

اس طرف نشر و اشاعت تو ادھر تیغ و تبر   آنکھیں جس طرح میں دو ایک تحریر منظر

اس مجاہد نے لیا کام زبان سے ایسا

مقصدِ سیدِ مظلوم کو دی جس نے بقا

گو اسے ہے ختمِ رسل سا سرِ قدرت کمال — پھر بھی پایا ہے نواسوں نے شہادت کا جمال
زندگی موت کی تمہید ہے اے اہلِ مقال — مرضیٔ خالقِ کونین ہے ہستی کا مآل

جس کو چاہے نگہِ ناز سرافراز کرے
ذکرِ شبیرؑ سے عقبہ کو بھی ممتاز کرے

جیسے عابدؑ کے لیے تپ تھی شہادت کا بدل — بہرِ عقبہ تھا اسی طرح اسیری کا عمل
یہ ہے وہ مصلحتِ خالقِ عالم کا محل — صبحِ اول سے ہے جو عقدۂ لاینحل

محبتِ حق جو نہ ہوتا تو قیامت ہوتی
پھر تو اس عبد کی اریب شہادت ہوتی

ناروا پانی ہے جس طرح بہ ایامِ صیام — عید کے دن وہی مشروب ہے ہمراہِ طعام
سجدۂ حضرتِ آدم کا بھی ہے خاص مقام — باادب سر کے جھکانے ہی کا اسلام ہے نام

کفر یعنی کہ ہے خالق کے مقابل ہستی
فسق یعنی کہ پیمبرؐ سے نہیں ربط کوئی

جسطرح ماہیٔ بے آب ہے مجبورِ فنا — کر دیا تھا اسی احوال نے عقبہ کو جدا
ورنہ یہ عونؑ کے ہمدوش وہ لڑتے بخدا — حضرتِ حُرؑ بھی پکار اٹھتے کہ ماشاءاللہ

مصحفِ مقصدِ شبیرؑ کی تفسیر مگر
ان کو کرنا تھی جو ہے نخلِ شہادت کا ثمر

ایک لاکھ اس سے سوا اور بھی چوبیس ہزار — انبیاء کی ہے یہ تعداد، یہ فضلِ غفار
اور بالآخر وہ کرم رحمتِ یزداں بے کنار — کوہِ فاراں پہ جس سے سرِ عرش وقار

آ گئے کرب و بلا میں وہ بہتر جلوے
جنونے انگڑائی لی صیقل گری عقبہ سے

صرف دو شرطوں کا اظہار جو حضرت نے کیا — ہو گیا خوش عمرِ سعد کہا شکرِ خدا

حاکم کوفہ کو لکھا کہ ہوئی رد بلا — وہ بھی ٹالی تھا مگر شمر ستمگر نے کہا
قتل و بیعت ہے جواب اسکا فقط دو لفظین
اختیارات میں سے بس ایک کو شبیر کریں

کربلا شمر جو پہنچا یہ جواب تحریر — ساتھ میں اپنے لئے ظلم کی اک فوج کثیر
ہاتھ مل کر عمر سعد نے کی یہ تقریر — تو نے سمجھا نہیں شبیر ہیں کون و توقیر
امر بیعت کبھی ممکن نہیں ان باتوں سے
قتل اب آل نبی ہو گی ترے ہاتھوں سے

تیسری شرط کہ جانے دو ہمیں نزد یزید — بادشاہ دو جہاں پر ہے یہ بہتان شدید
کوئی ایسی نہ ہوئی وہم میں بھی گفت و شنید — حجت حق سے تھا العظمۃ للہ بعید
کہدیا صاف کہ ظالم کی اطاعت ہے حرام
جان جاتی ہے تو جائے رہے لیکن اسلام

الاماں آل امیہ کے جو اخوا ہوں نے — حاشیے اس پہ کچھ اس طرح زمانے لکھے
جس سے روشن ہو زمانے پہ کہ بیعت کیلئے — شام تک جانے کو شبیر جو تیار ہوئے
عمر سعد تو راضی تھا مگر بس نہ چلا
شمر کو ایسی عداوت تھی کہ خود قتل کیا

دیکھنے والے یہ آئین سیاست ہے دیکھ — ہوش میں جس سے نہیں اس طرح صداقت ہے دیکھ
صرف دنیا کے دکھانے کو عبادت ہے دیکھ — خون تہذیب سے گلگونہ حکومت ہے دیکھ
اس پہ یہ دعوے کہ اسلام کے وارث ہم ہیں
ہم کو دنیا کے مسلمان خلیفہ مانیں

وقت وہ تھا کہ خزانوں کے دہانے تھے کھلے — زہر در شمشیر کے بھی وار تھے سمجھے بوجھے
کس میں ہمت تھی کہ حق بات زباں سے کہدے — کون تھا دھار پہ تلوار کی بے خوف چلے

تو مگر شاملِ شہیدانِ وفا ہے عقیلہ
باندھ کر سر سے کفن راہ یہ طے کر کے رہا

عابدِ زار و محزون زینبؑ و امِ کلثوم — راہِ تشہیر میں کوفے سے وہ تا شام ہجوم
سختیٔ ابنِ زیاد اور یزیدِ سگِ شوم — شرحِ حق کرتے رہا پھر بھی گروہِ مظلوم

راویٔ عینی تو ہیں اور بھی ما بعد تمام
کارِ عقیلہ تھا مگر شرکتِ تبلیغ امام

بولیے جھوٹ مسلسل کہ یقیں آ جائے — سچ کی پھر کیا ہے بضاعت جو قریں آ جائے
اور جب ازہر قدم مسندِ دہن آ جائے — اس کو کہتے ہیں سیاست جو کہیں آ جائے

پھر تو مکاری عیاری نہ تیغ و شمشیر
کرتے ہیں جوشِ جہانبانی میں قتلِ شبیرؑ

حاکمِ کوفہ کی تقریر یہ طرزِ تعریف — اور یزیدِ ستم ایجاد کی مدح و تعریف
عارفِ منزلتِ آلِ نبی ابنِ عفیف — کہہ دیا ڈانٹ کے جھوٹا ہے تو اور تیرا حلیف

گو تجھے نابینا مگر یار کے اکثر کو مرے
دورِ پُرہول تھا اس طرح کا عقیلہ کے لیے

ظلمِ بے پایاں کی ہر سمت وہ گھنگھور گھٹا — دن نظر آتا تھا جس میں شبِ یلدا سے سوا
زلزلہ جس سے تھا ایمان و یقیں میں پیدا — ایسے عالم میں یہ تیرا ہی تھا کام اے عقیلہ

تو نے جس طرح زمانے کو دیا درسِ حسینؑ
تجھ سے راضی ہے خدا شاد رسولِ ثقلین

دم بخود حاکمِ کوفہ تھا وہ تیرا تھا کلام — میں ربابِ جگر افگار کا ادنیٰ سا غلام
ختم ایذائیں ہوئیں ذبح کا ہے اہتمام — دیدۂ یاس کے یہ ظالم نے رہائی کا پیام

ناگہاں کیسے مزاجِ ستم آرا بدلا

کام لینا تھا مشیت کو تو نقشہ بدلا

سنئے عقبہ کا جو کردار صدا دیتا ہے — عزم محکم ہو تو توفیق خدا دیتا ہے
خدمتِ خلق کا خالق وہ صلہ دیتا ہے — جو کفِ خاک کو اکسیر نما دیتا ہے

راہِ حق میں وہ حیاتِ ابدی ملتی ہے
جو ہے فردوس بدامن وہ خوشی ملتی ہے

اللہ اللہ وہ علامۂ ازہر کا وقار — علم و تاریخ و ادب کے ہیں جو بحرِ ذخار
جن کی تحقیق کا عرشی ہے ترا الاعیار — کھل گئے باب نظر ہو گئی فطرت بیدار

دیکھنے والوں نے عقبہ کی حقیقت دیکھی
خالقِ عالمِ ایجاد کی حکمت دیکھی

علومِ سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی سب سے بڑی نشر گاہ

امامیہ مشن پاکستان کی تبلیغی سرگرمیاں

ایک نظر میں

۱۔ سوا سات سال کے قلیل عرصہ میں ۱۰۴ کتابچے سات مختلف زبانوں، انگریزی، اردو، گجراتی، بنگالی، پشتو، سندھی اور عربی میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ امامیہ مشن پاکستان کے ذیلی شعبہ "مکتبہ امامیہ" کی طرف سے سولہ ضخیم کتب، صحیفہ کاملہ (دس روپے) شیعہ اور اسلام (تین روپے) کربلا کی شیر دل خاتون (تین روپے) خلافت اور امامت (دس روپے) تبرہ و قبور (ایک روپیہ) اسوۂ حسینی (سوا دو روپے) زندگی کا کھیل تصور (سوا دو روپے) حضرت امام حسینؑ شہید کا جواب خلافت معاویہ و یزید (تین روپے)

نگرانیں (تین روپے) تاریخ اسلام حصہ اول (دو روپے) منہاج الصالحین (تین روپے) شہیدِ اعظم (تین روپے) خزینۃ المجالس (تین روپے) شائع ہو چکی ہیں۔ راہنمایانِ اسلام، فتح مبین، تاریخ حضرت امام حسن علیہ السلام، قرآن مجید مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب قبلہ، حضرت ابوذرؓ اور دیگر متعدد کتب زیرِ اشاعت ہیں۔

۳۔ امامیہ مشن پاکستان کے تقریباً پچاس مبلغین کئی سال سے بلا معاوضہ تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ صرف آمد و رفت کا کرایہ لیا جاتا ہے۔ غریب مومنین اس سے بھی مستثنیٰ ہیں۔

۴۔ چھ سال سے مشن ماہوار آرگن "پیامِ عمل" علوم سرکارِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نشر و اشاعت میں مصروف ہے، جسے ہر ماہ لاکھوں انسان بڑے ذوق شوق سے پڑھتے ہیں۔

۵۔ ملک بھر میں ایک سو پچیس اور بیرونِ ملک واشنگٹن، ہمبرگ، جرمنی، لندن، ایران، عراق اور افریقہ میں پچیس ذیلی دفاتر دینی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔

۶۔ شعبہ شادی سے ضرورت مند شرفا انتہائی رازداری کے ساتھ استفادہ کر رہے ہیں۔ اب تک ساٹھ سے زائد شادیاں کامیابی کے ساتھ انجام پائی ہیں۔

۷۔ سیرت و کردار کے ہفتہ وار اجتماع سات سال سے ہر اتوار کی صبح کو امام باڑہ نارووالی۔ لاہور میں منعقد ہو رہے ہیں۔

۸۔ حسینی فنڈ کی وساطت سے ہر سال محرم پر ہزاروں کتابچے مفت تقسیم ہوتے ہیں۔ اس فنڈ میں عطیہ بھیجنے والے حضرات کو مرسلہ رقم سے دو چند قیمت کا لٹریچر جس زبان میں بھی وہ پسند کریں محرم سے پہلے بھیجا جاتا ہے۔

۹۔ مشن کا ماہوار آرگن سینکڑوں لائبریریوں کو بلا قیمت بھیجا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات پر امامیہ مشن لائبریریاں قائم کی جاتی ہیں، اور ایسی تمام لائبریریوں کو مطبوعات مشن بلا قیمت بھیجی جاتی ہیں۔

۱۰۔ بفضلِ ایزدی اور تائید چہاردہ معصومین علیہم السّلام سے اس کے ممبران کی تعداد اس وقت چھ ہزار ہے جس میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ جاری ہے۔

۱۱۔ ہر باشعور شیعہ کو اس تبلیغی تنظیم میں شامل ہو کر نصرت آلِ محمدؐ کا فرض انجام دینا چاہیئے۔

۱۲۔ دُنیائے شیعیت کے مجتہدِ اعظم سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ۔ آقائے سیّد محسن حکیم طباطبائی مدظلہ العالی نے مشن کی دینی خدمات سے متاثر ہو کر ایک لاکھ روپے تک سہم امام (خمس) وصول کرنے کا اجازہ مرحمت فرمایا ہے۔

تفصیل چندہ رکنیت

سرپرست { پانچ سو روپیہ صرف یکمشت یا / پچیس روپے کی آسان قسط میں } مطبوعات مکتبہ امامیہ (تاریخ رکنیت / کے بعد شائع ہونے والی) مطبوعات امامیہ مشن پہلے سے شائع شدہ اور آیندہ شائع ہونے والی معہ ماہنامہ پیام عمل بلاطلب وبلاقیمت زندگی بھر بھیجی جائیں گی۔

مربّی { ایک سو روپیہ صرف یکمشت یا / دس روپے ماہوار کی آسان قسط میں } مطبوعات امامیہ مشن پاکستان (پہلے سے شائع شدہ اور آئندہ شائع ہونے والی) معہ ماہنامہ پیام عمل بلاطلب وبلاقیمت زندگی بھر بھیجی جائیں گی۔

خصوصی { صرف پانچ / روپے سالانہ } سال بھر میں شائع ہونے والا تمام لٹریچر معہ ماہنامہ پیام عمل بھیجا جائے گا۔ اس لٹریچر کی مجموعی قیمت ساڑھے سات روپے سے زائد ہوگی

امامیہ مشن پاکستان کا ہر ممبر مطبوعات مشن اور مکتبہ امامیہ بیس فیصد رعایت سے حاصل کر سکتا ہے

رابطہ قائم کرنے کا پتہ:۔ آنریری جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان (رجسٹرڈ) اردو بازار لاہور ۲

صرف ایک نیا پیسہ یومیہ

سے قدرے زیادہ ادا کر کے آپ نصرت سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کا فرض انجام دے سکتے ہیں یعنی پانچ روپے سالانہ فیس رکنیت لینے کے بعد سال بھر میں شائع ہونے والا انمول لٹریچر معہ ماہنامہ پیامِ عمل بلا طلب و بلا طلب و بلا قیمت بھیجا جاتا ہے۔ اس لٹریچر کی مجموعی قیمت ساڑھے سات روپے سے زائد ہوتی ہے

بھلا اس سے سستا سودا اور کیا ہو سکتا ہے؟

کرمشن کا ممبر ہونے کی صورت میں نہ صرف فیس رکنیت سے کہیں زیادہ قیمت کا لٹریچر مل جاتا ہے، بلکہ دوسری ان گنت تبلیغی خدمات میں شرکت بھی ہو جاتی ہے۔

خود ممبر بنیئے، اعزہ و احباب کو ممبر بنائیے

تاکہ ہم سب کی مشترکہ کوششوں سے دین کی بیش بہا خدمات انجام دی جا سکیں والسّلام

سبیل سکینہ

آنریری جنرل سیکریٹری

امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ، اردو بازار لاہور ۲

(۹۷)

حسینی فنڈ

میں

عطیہ سارحمت فرماکر رسلہ عطیہ سے دوگنی قیمت کا لٹریچر

(بعد از منہائی اخراجات ڈاک، اردو، انگریزی، گجراتی، بنگالی، پشتو، سندھی، یا عربی جس زبان میں بھی مطلوب ہو مجالس محرم اور جلوس ہائے عزا کے ہمراہ مفت تقسیم کرنے کیلئے محرم سے پہلے بھیجا جاتا ہے

عاشقان حسین مظلوم علیہ السلام سے استدعا ہے کہ وہ زیادہ امداد فرماکر کربلا کی عظیم قربانیوں کی اس کے اسباب و علل کے ساتھ نشر و اشاعت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں، یقیناً اس عملی نصرت کا اجر ان کو معصومۂ عالم ہی درگاہِ احدیت سے دلوائیں گی، ہم بہرحال ممنون ہوں گے۔

الداعی الی الخیر

آنریری جنرل سیکرٹری

امامیہ مشن پاکستان۔ لاہور۔ ۲

(الہلال پریس لاہور)